ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

جمادی الاولیٰ
سنہ ۱۴۱۰ھ

دسمبر
۱۹۸۹ء

تاسیسِ احرار کا پس منظر

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کعبہ کی بیٹی

ایران میں مؤمنین اہلِ سُنّۃ پر مظالم

اُجالے اپنی یادوں کے

یہ جمہوریت اور یہ آمریت

یکے از مطبوعات

ABU MAISOON.

تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت (شعبہ تبلیغ) عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

بانیٔ احرار حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یادگار تاریخی مکتوب :

بنام مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ ۱۹۳۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس احرار اسلام ہند کی طرف سے برطانوی نبوت کے مرکز قادیان میں ایک غیر سیاسی
شعبۂ تبلیغ اسلام قائم ہے۔ شعبہ کے مبلغ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی عنایت اللہ صاحب مسلمہ استاد ہیں
اور فقیر اس شعبہ کا ایک ادنیٰ خادم ہے۔ بحمد اللہ اگر حکومت برطانیہ کی ناک کا بال ہوتے
ہوئے مسجد و منبر پر جا کر اور پبلک جلسوں میں کھڑا ہو کر مرزا غلام احمد کی برطانوی نبوت کی تبلیغ
کر سکتا ہے اور ہندوستان و دیگر ممالک کے لوگوں سے لاکھوں روپے بٹور کر تبلیغ اسلام کے نام
پر مذہب اسلام کے فرائض انجام دے سکتا ہے تو مسلمانان ہند کو خواہ وہ ملازم حکومت ہی کیوں نہ ہوں
اس شعبہ میں شامل ہو کر اس کے بوجھ کو سر پر اٹھا لینا چاہیے۔ شعبہ کی طرف سے قادیان میں کچھ
زمین خریدی جا چکی ہے اور اس پر مسئلہ ختم نبوۃ کی تبلیغ و اشاعت و درس و تدریس کے لیے ابتدا
ہو چکی ہے۔ مسجد کی بنیادیں بھر دی گئی ہیں کنواں بن کر جاری ہے جس کی لاگت ہو رہی ہے وہاں کے
مسلمانوں کے بچوں کے لیے پرائمری اور دینیات کا مدرسہ کھلا ہے فنڈ کی وجہ سے بہت کام رکا پڑا ہے
ورنہ مجلس احرار اسلام اپنی دینی خدمات کو نمایاں طور پر مسلمانوں کے سامنے رکھ سکتی۔ مسلمانان ہند سے
فقیر کی درخواست ہے کہ اللہ کے لیے اس طرف توجہ کریں اور ہمارے اس کام میں شریک ہو کر دامے درمے
جانے مالے خیالے سے شعبہ کی امداد کر کے دربار رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں اپنے کو
سرخرو کریں اور اس کام کو مسلمانان ہند کیلئے ہمیشہ کی یادگار بنائیں۔ فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاری
(نوٹ) چونکہ قادیان میں مسلمان مسافروں کیلئے کھانے پینے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اسلئے شعبہ کی طرف سے ایک لنگر خانہ
بھی جاری ہے جس میں دور دراز سے آئے ہوئے مسلمانوں کو کھانا دیا جاتا ہے اور دوسرے مسافروں کو بھی کھانا دیا
جاتا ہے۔ تفصیل مولانا عنایت اللہ صاحب سے [illegible] ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاری

مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ، اللہ کے فضل و کرم سے حیات ہیں۔ آپ مسجد مدرسہ ختم نبوت قادیان میں احرار کے مبلغ رہے۔

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

رئیس التحریر: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری

مدیر: سید محمد کفیل بخاری

بابت ماہ: جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ دسمبر سال اشاعت ۲ شمارہ ۱۲

سرپرست اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ
مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہٗ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ
مولانا محمد عبداللہ مدظلہٗ
مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ
مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ
حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہٗ

رفقاءِ فکر:

سید عطاء المؤمن بخاری
سید عطاء المہیمن بخاری
سید عبدالکبیر بخاری
سید محمد ارشد بخاری
سید خالد مسعود گیلانی
عبداللطیف خالد، اختر جنجوا
عمر فاروق عمر، محمود شاہد
قمر الحسنین، بدر منیر احرار
سید محمد ذوالکفل بخاری

زرِ معاونت
اندرون و بیرون ملک

فی پرچہ: =/۵ روپے
سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا، امریکہ، برطانیہ، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ،
زرِ سالانہ: =/۵۰ روپے
برما، نائجیریا، جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ،

سالانہ: ۲۰۰ روپے

پبلشر: سید محمد کفیل بخاری پرنٹر: تشکیل احمد مطبع: تشکیل نو پریس پرانی غلہ منڈی ملتان مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ نقیب ختم نبوت مہربان کالونی ملتان

آئینہ

شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
۱	دل کی بات	مُدیر	۳
۲	تاسیسِ احرار کا پس منظر	سید عطاء المحسن بخاریؒ	۵
۳	کعبہ کی بیٹی	اختر جنجوعہ	۹
۴	شیخ الصحابہ	مولانا عبدالحق چوہان	۱۲
۵	جاگ مسلماں جاگ	شاہد شوکت	۱۸
۶	سیدنا مروانؓ	حکیم محمود احمد ظفر صاحب	۲۰
۷	شہید تیغ ابن سبا (نظم)	سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری	۲۴
۸	ایران میں مومنین اہلِ سنت پر مظالم	مکتوب بنام مدیر	۲۵
۹	روداد سفر	سید عطاء المحسن بخاری	۲۹
۱۰	صاحب ردا	شاہ بلیغ الدین صاحب	۳۹
۱۱	اظہارِ حقیقت	مولانا عبدالحق چوہان	۴۲
۱۱	اجالے اپنی یادوں کے	شہرت بخاری	۴۸
۱۳	اسلامی عبادات	مولانا محمد اسحٰق صدیقی	۵۳
۱۴	زباں میری ہے بات اُن کی	خادم حسین شیخ	۵۷
۱۵	یہ جمہوریت اور یہ آمریت	آپا نثار فاطمہ	۶۰
۱۶	دُدھ دی راکھی (نظم)	اصغر	۶۴

دل کی بات

پاکستان کے اقتدار کی تاریخ تاریک تر عبرت ناک اور حسرت ناک ہے پاکستان کے مقتدر لوگ اور سیاست دان ۳۲ برسوں میں یہی فیصلہ نہیں کر پائے کہ پاکستان ایک جمہوری ملک ہے یا اسلامی ملک ہے۔ اگر یہ فیصلہ ہو چکا ہوتا کہ پاکستان جمہوری ملک ہے تو یہاں جمہوریت کی نشو ونما کی ترقی ہوتی اور جمہوری حکومت قائم ہوتی اور اگر یہ اسلامی ملک ہے تو پاکستان میں قرآن و سنّت کے سچے احکام و قوانین کا نفاذ ہوتا اور پاکستان کا اسلامی تشخص اُبھارا اور قائم کیا جاتا۔ پاکستان کی مسلم اکثریت اور اقلیتوں کو اُن کے شرعی حقوق دیئے جاتے۔ اقتصادی و معیشی نظاموں میں قرآن و سنّت کی وضاحت و صراحت کے مطابق تبدیلیاں رونما ہوتیں ثقافت اور کلچر کو لگام دی جاتی، شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کو حسنِ خلق کی اعلیٰ قدروں کا پابند کیا جاتا، جاگیرداروں اور صنعتکاروں کو زکوٰۃ و عشر کا پابند بنایا جاتا۔ مسجدیں آباد ہوتیں سینما، قحبہ خانے، منشیات کے اڈے اور فائن آرٹ کے نام پر اعمالِ خبیثہ کے ڈیرے ویران ہو جاتے اور روزگار اور وسائل روزگار عام ہوتے انصاف سستا جلدی میسر آتا۔ زندگی ویرانیوں کا نقشہ نہ بنتی۔ ہر چہرہ شاداب و گلاب ہوتا۔ بیرونی نظریات اور تخریب کار کراچی، سندھ، پنڈی لاہور اور پشاور میں کسی "عبدالله العظام" کو قتل نہ کرتے۔ افغانستان میں دینی بنیادوں پہ افغان مجاہدین کی حکومت قائم ہو جاتی پیپلز پارٹی یورپین کلچر کی بے خوف نمائندہ نہ ہوتی۔ نصرت بھٹو اپنی بیوگی کو باوقار انداز میں نبھاتی اور بینظیر کی نجی اور ازدواجی زندگی کے مسائل اخبارات کی زینت نہ بنتے اور بچوں کی ولادتِ مدت پر بحث نہ ہوتی ——— لیکن پاکستان کے حکمران اور سیاست دان جانگلوس ڈرامے کے مکر وہ کرداروں کے سوا کچھ بھی تو نہیں جو ایک فرنگی کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔ فریب دیتے ہیں لوگوں کو غلام بناتے اور سرتابی پر غیر انسانی سلوک کرتے ہیں۔ ان کی کوٹھیوں میں وحشت و دہشت کا راج ہے جو اپنوں کو اپنا نہیں سمجھتے اور غیروں سے ملکیت کی بھیک مانگتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے پشتینی غدار دریوزہ گری سے اناولا غیری کی بھوک مٹانے کیلئے ہر جائز و ناجائز عمل کرنے کے لئے مستعد ہے ——— ہمارا یہ گمان یقین کی منزل پر پہنچتا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان رافضیوں مرزائیوں اور بدمعاش کلچر کے نمائندوں کے لئے بنا ہے۔ ایران پاکستان کے معاملات میں براہِ راست مداخلت کر رہا ہے۔ صرف اس لئے کہ بے نظیر قرۃ العین زریں تاج

... ... سے بالکل اندرونی اور دینی

معاملات میں در آئے لیکن پورے پاکستان کے مقتدرین اور مخالفین میں سے کسی کو یہ جرأت نہیں کہ وہ ایران میں ۳۸ فیصد مسلمانوں کے حقوق کی بات کرے اُنکی معاشی بدحالی ملازمتوں میں ناانصافی اور دینی پامالی پر اپنی مثبت رائے کا اظہار کرے ـــــــ امریکی و روسی لفنگے پاکستان میں بیٹھ کر اپنے ملک کی سفارت کاری کی بجائے کلچر اور جنس کی پیوندکاری میں جُتے ہوئے ہیں اور عملی و فکری حرام کاری کے لئے اُنہوں نے پالیسیوں اور بوریوں کے دہانے کھول دیئے ہیں۔ مُلّا ازم مولویت کے نام پر دین کو بالواسطہ گالیاں بک رہے ہیں اور دین کے متفقہ مسائل کو متنازعہ بنایا جارہا ہے۔ انسانی ضمیر کی بولی لگ رہی ہے۔ پارلیمنٹ اور وزیروں کی کوٹھیاں مچھلی مارکیٹ میں بدل کر رہ گئی۔ آرزوئیں پامال، تمنائیں بدحال اور مسخ اشکال ـــــــ مشرقی پاکستان اُنہوں گنوا دیا۔ دو قومی نظریہ برہم پُتر میں ڈبویا اور اب دریائے سندھ کی رنگت بدل رہی ہے۔ کشمیر اور وولر بیراج اقتدار کی مدت طویل کرنے کی ترپ چالیں ہیں۔ میرے اللہ یہ سب کیا ہے! یہ انسانوں کی بستی ہے جسمیں انسان نام کی نعمت دیکھنے کو اکھیاں ترستیاں ہیں۔ انسانوں کی بستی پاکستان سے اسلام ہجرت کر رہا ہے دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں پاکستان اسلام کی قتل گاہ بن رہا ہے۔ قائداعظم علامہ اقبال نے تو ایسا پاکستان نہیں بنایا تھا یہ تو غلام محمد، سکندر مرزا، مارشل لاء، ذوالفقار علی بھٹو، بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر کا پاکستان ہے۔ سیاستدانوں، حکمرانوں اور اے علمائے سیاست ہمیں علامہ اقبال کا پاکستان دیدو۔ اور اگر تم وہ پاکستان نہیں دے سکتے تو ہم تمہیں بہر نوع مردود قرار دیتے ہیں تم دین اور اُمتِ رسول کے قاتل ہو تم ہی وہ مجرم ہو جنکی سزا تو ہیں پاتی ہیں۔

اے اللہ اور اے اُمتِ رسولؐ گواہ رہنا کہ ہم ان مجرموں سے لاتعلق ہیں اور اُنکے اعمالِ خبیثہ سے بری ہیں ـــــ!

اظہارِ تعزیت

جامع مسجد احرار ربوہ کے خطیب مولانا اللہ یار ارشد کی ہمشیرہ گزشتہ ماہ انتقال فرماگئیں۔ اسی طرح سید سلیمان شاہ بخاری کے والد ماجد جناب سید حسام الدین بخاری بھی انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرماکر درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔ قارئین نقیبِ ختمِ نبوت سے التماس ہے کہ مرحومین کی مغفرت کیلئے خصوصی دعا کا اہتمام فرمائیں۔ [ادارہ] ـ!

سید عطاء المحسن بخاری

تاسیسِ احرار اور اُسکا پس منظر

دینی عقائد، افکار اور تصورات سے محروم لوگ جب اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہیں تو اُن کے سامنے نہ تو کوئی شخصی معیار ہوتا ہے اور نہ ہی فکری اساس و روایت بلکہ وہ اپنے معروضی حالات کے پیشِ نظر ذاتی جستجو اور انفرادی عقل کو اجتماعی شعور میں متشکل کرتے اور جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں ایسے افراد ہر قوم و ملک کی تاریخ کا حصّہ ہیں لیکن دینِ اسلام کے نزول اور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ تصور ہمیشہ کے لیئے باطل قرار دیا گیا۔ خصوصاً آپ کی ۲۳ برس کی زبردست دینی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں ایک ایسے معاشرے کا قیام کہ جس کو اللہ نے مُتَّقُوْن، مُفْلِحُوْن، رَاشِدُوْن اور فَائِزُوْن کے محترم ناموں سے یاد کیا ہو اور جن پہ رضی اللہ عنہم کی رداءِ رضا ڈال دی ہو ــــــ یعنی اللہ کا پسندیدہ دین اپنی تمام مادی و روحانی صفات سمیت انسانی سماج کی صورت میں عروج پہ پہنچ چکا ہو اس کے بعد کوئی سی انفرادی فکر اور کوئی دوسرا شخصی معیار قائم کرنے کا دھن یقیناً جہالت ہے۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ سیاسی و اجتماعی تاریخ پہ گہری نظر ڈالنے سے یہ بات مزید واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں پہ جب بھی زوال آیا اس کا سبب یہی انفرادی فکر اور ذاتی تشخص کا روگ ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلا حادثہ بنو عباس اور فاطمین کی آویزش ہے۔ جس نے صدیوں تک اُمّتِ مسلمہ کو اجتماعیت سے محروم رکھا۔ ان کے عہد میں عجمی سازش فکری گمراہیوں اور عملی بدکاریوں کی صورت میں عروج پر تھی۔ اسکی بنیادی وجہ یہودیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی وہ ذلت آمیز شکست تھی جس سے انکی صدیوں پرانی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا تھا اور انہیں دینی حکومتوں کا باج گزار ہو کر رہنا پڑا تھا ــــــ اس میدانی شکست کا انتقام انہوں نے اپنی فکری سازش اور ثقافتی لذتیت کی آمیزش سے کیا وہ مسلمان جو عہدِ صحابہؓ سے بہت دور نکل گئے تھے وہ لذتیت کی کلچرل دلدل میں اس بُری طرح دھنس گئے تھے کہ اس سے ان کا نکلنا ممکن نہ رہا تھا اور وہ عجمی سازش کے مرگھٹ پہ قتل کر دیئے گئے اور دینی تہذیب بھی انہی کے ساتھ منتشر ہو کر رہ گئی تھی۔ عبدُ الرحمٰن الدّاخل بنو اُمیّہ کے فرزندِ جلیل نے جب اُندلس میں مسلمانوں کی ہیئتِ

اجتماعیہ کا احیاء کیا تو اس کے اثرات دوبارہ بلادِ اسلامیہ میں پھیلے اور اصلاح کی تحریکوں نے جنم لیا لیکن ان مصلحین رحمہم اللہ کی تحریکوں کی بنیاد ان کے تشخص یا تفرد پر نہ تھی بلکہ وہ سنّتِ رسول کے احیاء کے محرک و مجدد بن کر میدان عمل میں بڑھے اور انہوں نے ایک مرتبہ پھر ایرانی، یونانی، رومی اور یہودی کلچر کو زبردست شکست دی ——— ہندوستان کی سرزمین میں بھی اسی سے ملتا جلتا تجربہ ہوا۔ محمد بن قاسم ثقفی مرحوم و مغفور سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک مسلمان کسی نہ کسی حیثیت سے ہندوستان کی اجتماعی سیاست و حکومت پر قابض رہا۔ مسلمانوں کے اس قبضہ و تسلط کی وجہ سے جو قوم سب سے زیادہ خسارہ و ذلّت میں آئی وہ ہندوستان کا برہمن تھا۔ برہمنوں کے ملوک کھشتری، ویش اور شودر دھڑا دھڑ مسلمان ہوئے مگر برہمن آخر وقت تک دین کے اقتدار کو قبول کرنے سے گریزپا اور نفور رہا اور بالکل ایرانیوں اور یہودیوں کی طرح دین کی فکری اساس قرآن و سنّت میں تحریف و ترمیم کی سازش میں مصروف ہو گیا۔ اور اپنی میدانی شکست کے انتقام کے لئے فکری پگڈنڈیوں کی تاریک راہوں پر چلتا ہوا ہمایوں کے دور میں نمایاں ہوا۔ سوءِ اتفاق کہ ہمایوں کو اپنی انفرادی طاقت بحال رکھنے کے لئے ایران سے بھیک مانگنا پڑی یوں ہندوستان کے برہمن اور ایران کے آتش پرست ہمایوں کی فکری آوارگی کو مستند بنانے میں متحد ہو گئے اور اسکے نتیجہ میں مسلم ہندوستان کے مغل حکمران باہم دست و گریبان ہوئے اور انتشار و افتراق کا بغدادی تجربہ ہندوستان میں دہرایا گیا۔

یہود و نصاریٰ دو ایسی خبیث قومیں ھیں جن کی خیانتوں اور اجتماعی بدعنوانیوں کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنا دشمن قرار دیا ھے[۱]۔ جو قومیں اللہ کی دشمن ہوں وہ اللہ کی مخلوق کی کیسے دوست ہو سکتی ھیں مشرقِ وسطیٰ میں وہ اپنے انتقام کو آخری شکل دینے میں مصروف تھیں اور ہندوستان پر ان کی زبردست نگاہ تھی کیونکہ ہندوستان فطری خزانوں سے معمور سرزمین تھی اور ان دونوں دشمنوں کو یہ کب گوارا تھا کہ ہندوستان اور عرب کا مسلمان اس نعمت سے تنہا فائدہ اُٹھائے اور اقتصادی و معاشی طور پر مستحکم تر ہوتا چلا جائے اور اُنہیں مسلمانوں کا زیر دست ہونا پڑ جائے۔ چنانچہ سولہویں صدی میں فرنگی شاہجہان کے دربار میں مہمان ہوا اور قربِ شاہ میں کرسی نشین ہو گیا۔ تجارت و معیشت کے راستے سے اس نے ہندوؤں اور ایرانیوں کو دوستی کے شیشے میں اُتار لیا اب مسلمانوں کے تین دشمن تاریکیاں عام کرنے

---

[۱] سورۂ ممتحنہ پ ۲۸ سورہ مائدہ پ ۶ آیت ۵۱

کے لئے متحد ہو گئے ———— مگر اللہ کی تدبیر انسانی فکر پر ہمیشہ غالب رہی ہے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ[1] نے قرآن و سنت کے احیاء کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ اور اس کے لئے مجدد صاحب نے سر دھڑ کی بازی لگا دی بعض اعیانِ سلطنت اور امراءِ حکومت جہانگیر کی حکومت میں مجدد صاحب کی اطاعت پر کمربستہ ہو گئے۔ ہندو برہمن ایرانی روافض اور فرنگی تاجر کی ملی بھگت سے مجدد صاحب جہانگیر کے عتاب کا شکار ہو گئے پابجولاں دربار میں بھی پیش کئے گئے اور جیل بھجوا دیئے گئے

مجدد صاحب کے معتقدین اور متوسلین بھی عتابِ شاہی کی زد میں آ گئے اور تحریکِ مجدد کا شیرازہ ظلم و جور سے بکھیر دیا گیا۔ ایرانی دھرم کے شاہی کارندوں نے جہانگیر کے گرد کچھ اس طرح اپنا ثقافتی جال بچھایا کہ نور جہاں جو فی الحقیقت ظلمت جہاں تھی۔ جہانگیر کے جسم و روح پر حاوی ہو گئی اور نوراللہ شوستری دربار میں حاوی ہو گیا۔ نور اللہ شوستری ایرانی دھرم کا سب سے بڑا سیاسی مہرہ تھا جو نور جہاں کی روح میں پیوست تھا۔ نور جہاں اس کیلئے وہ سب کچھ کر گزرتی جو حسن بن صباح کی ایرانی دیویاں کر گزرتی تھیں حضرت مجدد صاحب۔ نوراللہ مرقدہٗ کے علم میں یہ بات تھی وہ اس کے لئے کسی موقع کی تلاش میں تھے جہانگیر کے دربار میں جہاں نور اللہ شوستری کی ظلمت کا غلبہ تھا۔ وہاں ابھی حضرت مجدد صاحب کے ایک دو متوسل موجود تھے ایک روز دربار میں یہ بحث چل نکلی کہ اہل سنت والجماعت کے اسلاف کے بارے میں روافض کے تصورات نہایت غلیظ ہیں۔ جہانگیر نے بنفسِ نفیس مداخلت کر کے اسکو رد کیا لیکن اس مردِ حق نے نہایت حلم و حکمت سے کام لیتے ہوئے جہانگیر سے کہا کہ نور اللہ سے پوچھئے کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے اس نے کہا کہ قرآن پاک میں جبت اور طاغوت انہی کو کہا گیا ہے دربار پر سناٹا چھا گیا مگر جہانگیر ٹس سے مس نہ ہوا۔ ان صاحب نے کہا کہ اس سے پوچھو کہ حضرت سلیم چشتیؒ کے بارے میں اسکی کیا رائے ہے؟ شوستری سے پوچھا گیا تو اس نے ، بے دھڑک کہہ دیا کہ "مرد آبلہ بود" ایک بے وقوف آدمی تھا۔ جہانگیر سنتے ہی سیخ پا ہو گیا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا "زبانش بر کنید" اسکی زبان گدی سے کھینچ لو۔ چنانچہ "مجددی کارکنوں" نے اس موقع کو غنیمت شمار کیا اور اسکی زبان کھینچ لی۔ نور جہاں تڑپ کے باہر نکل آئی مگر قضا کا وار مکمل ہو چکا تھا۔ مجدد صاحب ریاست میں عملی انقلاب تو برپا نہ کر سکے لیکن فکری اصلاح اور روحانی انقلاب

---

[1] پیدائش ۱۵۶۳ ۔ ۱۶۲۴ وفات

مکمل کر گئے۔ ہندوستان مسلمان عقیدہ وعمل کے اس سانچے میں پھر سے ڈھلنے لگا جو سنتِ رسول ﷺ کی اتباع پر مبنی تھا۔ یہی وہ موروثی اساس تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی رحمہ اللہ کو فطرت اور ماحول دونوں نے ودلیعت کی تھی حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ شاہ ولی اللہ کو بھی اس طرح چومکھیا جنگ کرنا پڑی جس طرح حضرت مجددؒ صاحب نے لڑی تھی یعنی ھندوازم ایرانی دھرم اور فرنگیت یہ تینوں فکروعمل کی وادی میں مسلسل للکار رہے تھے اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ھی پھر اللہ نے ہندوستانی مسلمان کا قبلہ درست رکھنے کیلئے شاہ صاحبؒ کی صورت میں ایک ادارہ بخش دیا۔ شاہ صاحب نے اپنے ماورائی علم وفکر سے ایک قدم آگے بڑھایا اور احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تاکہ اُن دشمنوں کی سازشوں سے سر اُٹھانے والے جاٹ مرھٹے سکھ میدانِ جنگ میں شکست کھائیں اور فکری میدان میں تو ہندومت اور رافضیت کو شاہ صاحب ارٹنگے پر لاکر پٹخ چکے تھے ان میں اتنی سکت نہ رھی تھی کہ امت کو فکری گمراھیوں کے مدفن پر لاکر اغوا کرلیں۔ شاہ صاحب نے جہاں موروثی عقائد و اعمال کو سنتِ نبوی کے نور سے منور و مربوط کیا وہاں اسلام کی معیشی اساس سے بھی اھلِ اسلام کو روشناس کرایا اور مسلمانوں کی ھیئت اجتماعیہ کے رُخ سے دبیز تہیں ھٹائیں قومی شعور بخشا اور اسلام کو "ملاوٹوں" سے پاک کیا۔ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ آج تک اپنی اِمتیازی شان کے ساتھ امت دعوتِ فکر دے رھا ھے۔

فطرت کی حسنِ ترتیب ملاحظہ ہو کہ جیسے جیسے ملّی تقاضوں کا زور بڑھتا گیا ویسے ویسے اللہ پاک نے اپنے چُنے ہوئے بندے پیدا فرما کے اُمت کی ھچکولے کھاتی کشتی کو کھیون ہارے عطا کئے، شاہ ولی اللہ کی محنت کا ثمرہ اقتدار کی صُورت میں تو نہ ملا لیکن امن ضرور قائم ہوا اور مسلمان نشاۃ ثانیہ کے لئے سرگرمِ عمل ہوئے۔ شاہ صاحب کے اپنے خاندان اور حلقہ درس میں تیار ہونیوالے فکری ستون قائم ہوئے جنہوں نے تنہا اُمتوں کا کام کیا۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، محمد اسحٰق شاہ، اسمٰعیل شہید مفتی صدرالدین مفتی الٰہی بخش مولانا عبدالحئی، مولانا فضل حق خیرآبادی یہ تمام بزرگ شاہ ولی اللہؒ کی وفات سے قبل ولادت پا چکے تھے۔ اکثر نے شاہ صاحب کا زمانہ پایا اور شاہ صاحب کی فکری تعلیم سے اثر پذیر ہوئے اور بعد میں شاہ عبدالعزیز نے انکی فکر راست کو صیقل کر دیا۔ [باقی آئندہ]

پیدائش ۱۷۰۲ء وفات ۱۷۶۲

کعبہ کی بیٹی
بابری مسجد ـــــ شہید گنج .... ؟

ہندوستان میں بابری مسجد کے تقدس کو پامال کرنے کے واقعہ کے خلاف فطری ردّ عمل کے طور پر دنیا بھر کے مسلمانوں نے شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اسکی پُرزور مذمت کی ہے۔ وزیر اعظم مسز بینظیر بھٹو کی طرف سے بھی اس سلسلہ میں سرکاری طور پر ہندوستان کی حکومت سے شدید احتجاج کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی عبارت گاہوں کی بےحرمتی کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ ماضی میں بھی اس قسم کے قابلِ مذمت کارروائیوں کو کئی بار دہرایا گیا اور ملتِ اسلامیہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی۔ اندرا گاندھی کے دورِ اقتدار میں کئی مساجد کو آثارِ قدیمہ قرار دیتے ہوئے اُن پر قبضہ کر کے انہیں سرکاری تحویل میں دیدیا گیا اور اب راجیو گاندھی کے عہد حکومت میں بابری مسجد کو مسمار کرنے کی کوشش اور اسکی توہین کا عمل کسی گھناؤنی سازش اور مسلم کش منصوبہ کا حصّہ دکھائی دیتا ہے اس لئے پوری ملتِ اسلامیہ کو اس ضمن میں بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہیئے

ملک میں مختلف مذہبی و سیاسی جماعتوں کی طرف سے بابری مسجد کے واقعہ پر احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے راقم آج ۱۱ نومبر ۱۹۸۹ کے اخبارات میں ان مظاہروں کی خبروں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر لنڈا بازار لاہور میں واقع **مسجد شہید گنج** کے بارے میں شائع ہونیوالی اس مختصر خبر پر آکر رُک گئی :

"مسجد شہید گنج لاہور کو واگزار کرانے کیلئے وفاقی شرعی عدالت میں ۱۹ نومبر کو سماعت شروع ہوگی۔ وفاقی شرعی عدالت کا فُل بنچ اس دعویٰ کی سماعت لاہور ہائیکورٹ میں کریگا۔ یہ دعویٰ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۱۴ کے تحت سوتر منڈی اندرون لوہاری گیٹ کے ایک شخص **محمد صدیق** نے دائر کر رکھا ہے"

(روزنامہ جنگ لاہور ۱۱ نومبر ۱۹۸۹ء)

اس مسجد کے بارے میں سکھوں کا دعویٰ ہے کہ اورنگ زیبؒ کے عہد میں گورنر معین الملک عرف میر منو نے اس مقام پر سکھوں کو قتل کیا تھا۔ یہ اُن کے شہیدوں کی یادگار ہے اور اس نسبت سے گوردوارہ شہید گنج کہلاتی ہے جبکہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ یہ مسجد ہے۔ تاریخی لحاظ سے مسلمانوں کا دعویٰ بالکل درست ہے کیونکہ اورنگ زیبؒ کے

عہد میں میر منو، پنجاب کے گورنر مقرر ہی نہیں ہوئے۔ میر منو۔ اورنگ زیبؒ کی وفات کے کافی عرصہ بعد احمد شاہؒ کے زمانے میں پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے تھے جبکہ سکھوں نے ۱۷۶۵ء میں میر منوں کے مقبرے اور اس مسجد پر قبضہ کر لیا۔

بہرنوع مذکورہ بالا خبر کے مطالعہ کے ساتھ ہی جولائی ۱۹۳۵ء کا زمانہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا جب اس مسجد کو سکھوں سے واگزار کرانے کی تحریک زوروں پر تھی اور پھر مسجد کے حصول کیلئے قانونی جنگ اور عوامی تحریک کی فلم میری آنکھوں کے سامنے چلتی رہی۔ تحریک کے قائدین کا کردار اور عوام کی قربانیوں کی یاد کافی دیر تک رلاتی رہی کہ

- کس طرح سیاسی شاطروں نے مسجد کے مقدس نام کو اپنی سیاسی اغراض کیلئے استعمال کیا؟
- بعض ٹوڈی مسلمانوں نے اپنے آقا فرنگی کی خوشنودی اور رضاجوئی کیلئے کس طرح مسجد کا سودا کیا؟
- "اتحادِ ملت" کے بعض رہنمایانِ عظام نے مسجد کے بارے میں بعض اہم دستاویزات اور رازوں کو کس طرح انگریز افسروں کے خندہ ہائے نیم شبی میں گم کر دیا؟
- اور پھر پنجابی مسلمانوں کی حریت پر در تنظیم "مجلسِ احرارِ اسلام" پر مسجد کا ملبہ کس طرح گرایا گیا؟

مسجد کو واگزار کرانے کے لئے چلائی جانیوالی تحریک کے نتیجہ میں لاکھوں مسلمان شہید و زخمی ہوئے بیسیوں کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں لیکن مسجد نہ ملنی تھی نہ ملی بلکہ بعد کے حالات نے تو یہ ثابت کیا کہ دراصل ۱۹۳۷ء میں ہونے والے صوبائی خود مختاری کے انتخابات میں فرنگی اپنے پسندیدہ افراد کو کامیاب کرانا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لئے مجلسِ احرار اسلام کو پنجاب میں عوامی تائید و حمایت سے محروم کرنے کے لئے سازش تیار کی گئی اور پھر منصوبہ بندی کے ذریعے مادی وسائل اور پروپیگنڈہ مشینری کو مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا گیا۔ بے وسیلہ احرار محض اخلاص سے اس یلغار کا مقابلہ نہ کر سکے۔ نتیجتاً انگریز اپنے مقاصد میں کافی حد تک کامیاب رہا۔

آج پاکستان کو آزاد ہوئے بیالیس برس ہو چکے ہیں۔ لیکن مسجد شہید گنج آج بھی سکھوں کے قبضہ میں ہے اور پھر لطف کی بات یہ بھی ہے کہ اس سب سے بڑی مسلم مملکت میں مسجد کو سکھوں کی ملکیت تسلیم کیا جاتا ہے ہندوستان سے آنے والے سکھ یاتری پاکستان آکر سرکاری نگرانی میں اس مقام پر اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان قوم مولانا ظفر علی خان اور پیر جماعت علی شاہ کی روحانی اولاد سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ کیا مسجد شہید گنج اب مسجد نہیں رہی؟ مسلم لیگی، جنہوں نے اس وقت مسجد شہید گنج کو "کعبہ کی بیٹی" قرار دیکر

مسلمانوں کے مذھبی جذبات کو اُبھارا، قوم اُس سے اور اُن کے وارثان سے بھی پوچھتی ہے کہ اب یہ مسجد کعبہ کی بیٹی نہیں رہی؟ لیکن یہ لوگ قوم کو کیا جواب دیں گے؟ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے مذھبی جذبات کو EXPLOIT کرنے اور مسجد سے غداری کرنے والے ایسے تمام عناصر کو خدا کی بے آواز لاٹھی سے ڈوبی، جن کی شخصیتوں کے افراسیابی گنبد مسجد شہید گنج کی اینٹوں سے کھڑے ہوئے تھے۔

آج اگر ایک شخص نے ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کرکے مسجد کے مسئلہ کو عدالت میں اٹھایا ہے تو تمام دینی و سیاسی جماعتوں کو اس شخص کی حوصلہ افزائی کرنے کے علاوہ اس کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔ اس وقت جبکہ پنجاب میں مسلم لیگ پنجاب اور اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر جناب نواز شریف کی حکومت ہے تو انہیں مسجد واگزار کرانے کیلئے اخلاص کے ساتھ ذاتی دلچسپی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ اگر جناب وزیر اعلیٰ پنجاب وفاقی حکومت سے مخاصمت کی پالیسی کے نتیجہ میں یہ بیان دے سکتے ھیں کہ:

"بابری مسجد کے معاملہ کو وفاقی حکومت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

تو انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ صوبائی دار الحکومت لاھور میں واقع مسجد شہید گنج سکھوں کے قبضہ میں ہے اور اگر گذشتہ آٹھ، نو سال سے پنجاب میں سیاہ و سفید کے مالک ہونے کے باوجود اس "کعبہ کی بیٹی" کو واگزار کرنے کے لئے آپ کا عشقِ رسولؐ آتشِ نمرود میں نہیں کود سکا تو اب بھی وقت ہے۔ آپ کو یقیناً اس سے سیاسی فائدہ بھی حاصل ہوگا۔ ملک کی تمام دینی قوتیں جو اسلامی جمہوری اتحاد میں شامل ھیں اور جناب نواز شریف کو اپنا نمائندہ قرار دیتی ھیں۔ انہیں بابری مسجد کے مسئلہ پر احتجاج کے ساتھ ساتھ مسجد شہید گنج کی بازیابی کیلئے بھی اپنے اس نمائندہ پر دباؤ ڈالنا چاہیئے۔ نیز یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ پنجاب حکومت کیونکہ تاریخی حوالے سے اس راکھ میں پوشیدہ شعلوں سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے مسجد کے مسئلہ کو عدالت میں اُٹھانے اور اسے ہوا دینے والے شخص پر دباؤ ڈالنے کے لئے پنجاب انتظامیہ اُسے ھراساں کر رہی ہے۔ ایسی صورتحال میں مسجد شہید گنج تمام دینی جماعتوں کو اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے پکار رہی ہے۔

شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ

از: مولانا محمد عبدالحق چوہان

"علی اکبر" سبائی تبرائی کی کتاب "شیخ سقیفہ" غلاظت کی پوٹ ہے

(قسط ۱)

اس وقت "علی اکبر" نامی ایک سبائی تبرائی کی تصنیف کردہ کتاب "شیخ سقیفہ" کے چند اقتباسات ہمارے پیش نظر ہیں۔ دیدۂ بصیرت سے محروم خفاش صفت سبائی نے سید ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ضیاء پاش سیرۃ سے پھوٹنے والی ہر کرن کو علامتِ ظلمت تصور کرتے ہوئے آپکی سیرۃ مطہر کو داغدار کرنے کی ناتمام کوشش کی ہے۔ اس نے اپنی تمام خرافات کیلئے تاریخی روایات کو سندِ جواز کے طور پہ پیش کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

اس کتاب میں ہم نے حضرت ابوبکر کے بارے میں بے لاگ گفتگو کی ہے۔ اس گفتگو سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں اور دل آزاری کی کوئی بات بھی نہیں ہے کہ ہم صحابہ کی حقیقت بتا چکے ہیں چنانچہ ابوبکر کی کوئی دینی حیثیت نہیں تھی کہ ان پہ تحقیق اور بے لاگ گفتگو کرنا جرم ہو یا اس سے دین میں نقص پیدا ہوتا ہو۔

تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی اور معاف بھی کیوں کرے۔ اس کا تو کام ہی یہ ہے کہ ماضی کی سچائیوں کو پیش کرے تاکہ حال اور مستقبل سنور سکے۔ تاریخ نے ہر علاقہ اور ہر دور کی جہاں تک رسائی ہو سکی سچائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کے ہر پہلو پہ تحقیق ہوتی رہی ہے۔ ہر شخصیت زیر بحث آتی رہے گی۔ لہذا جناب ابوبکر کی ذاتِ گرامی پہ بھی تحقیق و گفتگو ضروری ہے۔

[ص۸ زیر عنوان پیش لفظ]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت وہ ذاتِ گرامی ہے جس کی صحابیت قرآن مجید کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ دینِ اسلام کے متعلق آپکی خدمات گرانمایہ کے متعلق بھی قرآن مجید میں اشارات موجود ہیں۔ اگر آج کوئی شخص سبائیہ اور روافض کی وضع کردہ جعلی اور مکذوبہ روایات کے تارِ عنکبوت کا سہارا لیکر آپ کی شخصیت کیخلاف بہتان و افتراء کا ارتکاب کریگا تو اس کی یہ دروغ گوئی "عواء الکلب" کے زمرہ میں شمار ہوگی۔ اس طرح کی جعلی اور مکذوبہ روایات کے متعلق محققین نے انذار و تحذیر کے پیرایۂ بیان میں امت کو متنبہ کیا ہے

وَ ایاکم ودجالین وکذابین من المؤرخین قفنت علیهم ظروف زمنهم ان یقبلوا الحقائق ویکذبوا علی اللہ وعلی الامۃ الاسلامیۃ فینسبون القبائح لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [اتمام الوفاء ص۲۵۹]

خبردار تم اپنے آپ کو دجال صفت جھوٹے مؤرخین سے بچاؤ جنہوں نے اپنے زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر حقائق کی اُلٹی تصویر کشی کی ہے اللہ اور اُمتِ مسلمہ کی طرف کذب بیانی کو منسوب کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی ذواتِ مقدسہ کی طرف افعال قبیحہ کے ارتکاب کو منسوب کیا ہے۔

اور آپکے متعلق یہ کہنا کہ:

"چنانچہ ابوبکر کی کوئی دینی حیثیت نہیں تھی کہ ان پر تحقیق اور بے لاگ گفتگو کرنا جرم ہو"

ایک بدیہی حقیقت کا انکار ہے اور چمکتے ہوئے سورج کی روشنی سے چشم پوشی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کی ہی تبلیغ پر حضرت ابو عمرو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوعبداللہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ۔ حضرۃ ابو محمد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ حضرۃ ابو اسحٰق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ حضرت طلحۃ الخیر الفیاض رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور جن غلاموں کو صنادید قریش نے اسلام کے قبول کرنے پر ظلم و بربریت کا تختۂ مشق بنایا، صدیق اکبرؓ نے ان مظلوم مسلمانوں کو سفاکیت سے رہائی دلانے کیلئے اُنکے آقاؤں سے اُنکو خرید کر آزاد کرنا شروع کر دیا۔ ان آزاد کردہ مسلمانوں میں سے یہ حضرات زیادہ شہرۃ یافتہ ہیں۔ حضرۃ عامر بن فہیرہ۔ سیدہ ام عُبَیس سیدہ زنیرہ۔ سیدہ نہدیہ اور اُنکی بیٹی اور موحد اعظم اور مؤذن رسول سیدنا بلال ابن رباح رضوان اللہ علیہم اجمعین

ایک دفعہ آپکے والد نے آپکو نصیحت کے انداز میں کہا:

یا بُنَیَّ انی اراك تعتق رقاباً ضعافاً فلوانك اذ فعلت اعتقت رجالاً جُلداً یمنعونك ویقومون دونك

[ابن ہشام ص۳۱۹ ج ۱]

اے میرے بیٹے میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو کمزور غلاموں کو آزاد کر رہا ہے۔ اگر تجھے یہ کام کرنا ہی ہے تو طاقتور غلاموں کو آزاد کر تاکہ ضرورۃ کے وقت تیری حفاظت کریں گے اور تیرے سامنے ڈھال بن جائیں گے۔

اس پر سیدنا صدیق اکبر نے جواباً ارشاد فرمایا:

فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ یا ابت انی انما ارید ما ارید للہ عزوجل۔

میں یہ کام جو کر رہا ہوں اس میں میرا ارادہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔

حضرۃ اسید ابن صفوان رضی اللہ عنہ سے روایۃ ہے کہ جس وقت حضرۃ ابوبکر کی وفاۃ ہوئی تو انھیں کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ اور مدینہ منورہ کے اندر بالکل وہی حالت تھی جیسی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاۃ کے دن ہوئی تھی۔ حضرۃ علی رضی اللہ عنہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ آج کے دن "خِلافتِ نبُوّۃ" ختم ہوگئی۔ اور اس کے بعد فرمایا:

کنتَ اوّلَ القوم اسلاماً واخلصہم ایماناً واشدہم یقیناً واخوفہم للہ واعظمہم غناءً فی دین اللہ واحوطہم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ واحدبہم علی الاسلام وامنہم علی اصحابہ واحسنہم صحبۃً واکثرہم مناقب وافضلہم سوابق وارفعہم رتبۃً واقربہم وسیلۃً واشبہہم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدیاً وسمتاً وفضلاً واشرفہم منزلۃً واکرمہم علیہ واوثقہم عندہ فجزاک اللہ عن الاسلام خیراً وعن رسولہ خیراً

[ازالۃ الخفاء ص ۶۹ ج ۲]

تم سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔ سب سے زیادہ مخلص مومن اور یقین کی دولت سے مالا مال تھے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں سب سے زیادہ نفع رساں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ نگہبانی کرنے والے تھے اسلام کی طرف سب سے زیادہ راغب اور جھکنے والے تھے۔ آپ اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ احسان کرنیوالے تھے اور سب سے زیادہ حق ادا کرنیوالے تھے۔ آپکے مناقب سب سے زیادہ ہیں اور فضیلۃ میں سب سے زیادہ آگے تھے اور درجہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ بلند۔ عادات۔ اخلاق رحمت، مہربانی اور فضیلۃ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے مرتبہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ اشرف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور معتمد۔ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ نے جس طرح خدمۃ کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفاۃ میں ۸ ربیع الاول ۱۱ھ کو جمعرات کے یوم ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور اسمیں آپ نے حضرۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات کا تذکرہ بھی فرمایا۔ چنانچہ "البدایہ والنہایہ" میں ہے:

وخطب علیہ الصلواۃ والسلام فی یوم الخمیس قبل ان یقبض بخمس ایام خطبۃ عظیمۃ بیّن فیہا فضل الصدیق من سائر الصحابۃ مع ما کان قد نص علیہ ان یوم الصحابۃ اجمعین۔

[جمعرات کو] ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تمام صحابہ پر فضیلۃ بیان فرمائی اور اس خطبہ میں بیان کی ہوئی فضیلۃ کے ساتھ آپ کی طرف سے یہ نص قطعی (واضح حکم) بھی موجود ہے کہ ابوبکر صحابہ کی امامت کرائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدماتِ اسلامیہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد اور حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کے اعترافِ حقیقۃ کے بعد ابنِ سبا یہودی کے روحانی خلف کے اس قول کی:

"چنانچہ ابوبکر کی کوئی دینی حیثیت نہیں تھی"

کیا حیثیۃ اور وقعت رہ جاتی ہے اور اس کی یہ بکواس بدیہی حقیقت کے انکار کے زُمرہ میں شمار ہوگی حضرۃ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو والہانہ محبت اور عشق تھا۔ اس میں خود غرضی اور ھوس اقتدار کے جذبات کی آمیزش کی طرف اشارہ کرکے آپکے "درجۂ صدیقیۃ" میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے:

کہ "اسلام کے ساتھ انکی وابستگی میں انکے سیاسی عزائم کی جھلک نظر آتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن میں نکھار آتا چلا گیا۔ اور جب رسول کا وقتِ آخر قریب ہوا تو انکے عزائم کھل کر سامنے آگئے اور انکے طرزِ عمل سے بے مروّتی ظاھر ھونے لگی اور وہ رسول اللہ کے رحلت فرماتے ہی بالکل اسی طرح سے حکومت حاصل کرنے کیلئے جھپٹ پڑے کہ جس طرح عام طور پر بادشاھت کے دور میں ہوا کرتا تھا کہ چاہے بیٹا کیوں نہ ہو اسے باپ کے جنازے سے زیادہ اس کی چھوٹی ہوئی بادشاھت سے دلچسپی ہوتی تھی۔"

اگر حضرۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کی تصدیق کرکے حصارِ اسلام میں داخل ہونا سیاسی عزائم کی

بناء پر تھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا کس جذبہ کے ماتحت تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خالصتاً بجذبہ اخلاص بلا آمیزش ہوس اقتدار کے نبوة کی تصدیق کی تھی تو حضرة ابوبکر کا اسلام قبول کرنا بھی اسی جذبۂ اخلاص کے تحت تھا جس وقت حضرة ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبوة کی تصدیق کی تھی اس وقت یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ تصدیق حصولِ خلافت کیلئے ہے کیونکہ اس وقت پورا جزیرہ نمائے عرب آپکے دین کا مخالف تھا اور خصوصاً سرزمین مکہ آپ کیلئے تعذیب گاہ بنی ہوئی تھی آپ کا اسلام قبول کرنا فطری صلاحیت و استعداد اور روحانی قوتِ اخذ و اقتباس کی بنا پہ تھا نا کہ سیاسی عزائم کی بنا پہ۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ :

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما دعوتُ احداً الى الاسلام الا كانت فيه عنده كبوة و نظر وتردد فيه.

[ابنِ هشام صـ۲۵۲ ج ۱]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے اوّلاً اس معاملہ میں تاخیر کی اور تردد کا اظہار کیا۔ مگر ایک ابوبکر ابن ابی قحافہ ہے کہ جب میں نے اس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور دعوت دی تو اس نے بلا تردد اور بغیر ایک لمحہ دیر کئے اس دعوت کو قبول کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرة ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والہانہ محبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز صنادید قریش حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کر رہے تھے کہ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے : پھر کیا ہوا ؟

فوثبوا اليه وثبة رجل واحد واحاطوا به يقولون انت الذى تقول كذا وكذا لما كان يقول من عيب آلهتهم ودينهم فيقول رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم انا الذى اقول ذالك. قال فلقد رأيت رجلا منهم اخذ بمجمع ردائه. قال فقام ابوبكر

تمام کے تمام کود پڑے اور آپ پر یکبارگی حملہ آور ہوئے اور آپ کو گھیرے میں لے لیا اور کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے دین کے متعلق اس طرح کہتا ہے ؟ اُن کا اشارہ آپ کے اس قول کی طرف تھا جو کہ آپ اُن کے جھوٹے خداؤں اور اُن کے باطل دین کے متعلق کہتے تھے آپ نے فرمایا بالکل میں ہی کہتا ہوں۔ اس وقت

نی اللہ عنہ دونہ۔ وھو یبکی
ذ یقول أتقتلون رجلاً ان یقول
ربی اللہ ؟

[ابن ھشام صـ ۲۹۰ ج ۱]

کا راوی کہتا ہے کہ میں نے اُن میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے آپؐ کا گریبان پکڑ لیا ہے۔ اتنے میں حضرۃ ابوبکر آپؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اس وقت حضرۃ ابو بکرؓ کی آنکھیں اشک بار تھیں اور اُن کو خطاب کرکے کہنے لگے کہ کیا تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب ایک اللہ ہے۔

اس کے بعد کیا ہوا، حضرۃ ابوبکر کے خاندان کی روایۃ ہے کہ:

لقد رجع ابوبکر یومئذٍ
وقد صدعوا فرق راسہ
مما جبذوہ بلحتیہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حال میں گھر واپس تشریف لائے کہ ان کا سر زخمی تھا۔ کیونکہ ان لوگوں نے حضرۃ ابوبکر کو داڑھی سے پکڑ کر کھینچا تھا۔

کیا ایسی حالت میں بھی تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ حصولِ خلافہ کیلئے آپ کے ساتھ منسلک تھے بلکہ ایسے حالات میں آپکی متابعۃ کرنا اور آپکی صحبت اختیار کرنا مصائب و شدائد کو دعوۃ دینے کے مترادف تھا۔ ان مصائب کے وقت میں ابوبکرؓ ہی تھے جو کہ آپؐ کے سامنے سینہ سپر تھے۔

اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ:

"اور ان کے طرزِ عمل سے بے مروّتی ظاہر ہونے لگی اور وہ رسول اللہؐ کے رحلت فرماتے ہی بالکل اسی طرح سے حکومت حاصل کرنے کے لئے جھپٹ پڑے کہ جس طرح عام طور پر بادشاہت کے دور میں ہوا کرتا تھا۔"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُمّۃ کو جو قلبی عقیدۃ و محبت ہے۔ اس تحریر کے ذریعہ مودّۃ کی اس شرابِ شیریں میں تنفر و بُغضِ صحابہ کے سم قاتل کی آمیزش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلام کے اندر اجتماعی زندگی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اصحابِ بصیرت کے سامنے عیاں ہے اور اجتماعی زندگی کا مدار اور اس کی بنا رھی سربراہ مملکۃ کی ذات پر ہوتی ہے۔ موجودہ سیاسی نظام اور ملکی نظام میں بھی اسی اھمیۃ کے پیشِ نظر یہ امر مروج اور ضروری ہے کہ سربراہ مملکۃ کی وفات کے بعد فوراً ہی سربراہ مملکۃ یا اس کے قائم مقام کا تعین کیا جاتا ہے!

(باقی آئندہ)

محمد شاہد شوکت

جاگ مُسلماں جاگ

دنیا تجھ کو لُوٹ رہی ہے ، جاگ مسلماں جاگ
نیّا تیری ڈوب رہی ہے ، جاگ مسلماں جاگ

تجھ سے پہلے اس دنیا میں تاریکی ہی چھائی تھی
اس دنیا میں علم کی رونق تیرے دم سے آئی تھی
اور سارے عالم کو تُو نے حق کی راہ دکھائی تھی
اپنا مقصد بھُول گیا تو لاگا تجھ کو داگ

دنیا تجھ کو لوٹ رہی ہے ، جاگ مسلماں جاگ
نیّا تیری ڈوب رہی ہے ، جاگ مسلماں جاگ

ماضی کی یہ بات تو سچ ہے لیکن اب تو کیسا ہے ؟
علم و عمل سے ہو کر عاری اب تو کیسے بیٹھا ہے ؟
سب کو راہ دکھانے والے کس کی آس پہ بیٹھا ہے ؟
مستقبل کو ہاتھ میں لے لے ، ماضی سے مت بھاگ

دنیا تجھ کو لوٹ رہی ہے ، جاگ مسلماں جاگ
نیّا تیری ڈوب رہی ہے جاگ مسلماں جاگ

ٹکڑے ٹکڑے جسم ہے تیرا یہ جینا کیا جینا ہے ؟
روح بھی تیری گھائل ہے اور زخمی زخمی سینہ ہے ؟
لوگوں نے امداد کے روپ میں خُون ترا ہی پینا ہے
ان سے رشتہ توڑ لے اپنا یہ ہیں سارے گھاگ

دنیا تجھ کو لُوٹ رہی ہے جاگ مسلماں جاگ
نیّا تیری ڈوب رہی ہے جاگ مسلماں جاگ

ان کے ہاتھوں کب سے تیرا قتل مسلسل جاری ہے
ہوش میں اب تو آجا ظالم، سکتہ تجھ پر طاری ہے
حیوانوں کی نقل ہی کرلے گر تو عقل سے عاری ہے
سچائی سے موند نہ آنکھیں مدہوشی سے جاگ

دنیا تجھ کو لوٹ رہی ہے جاگ مسلماں جاگ
نیا تیری ڈوب رہی ہے جاگ مسلماں جاگ

تیری معیشت تیری سیاست، سب غیروں کے قبضے میں
تیری نظامت تیری قیادت سب ہیں اُن کے نرغے میں
جان چھڑا لے اُن سے اپنی، مت پڑ اُن کے جھگڑے میں
ان کا کھلونا بن کے مت جی ، جاگ جگالے بھاگ

دنیا تجھ کو لوٹ رہی ہے جاگ مسلماں جاگ
شوکتؔ تجھ کو ہوش دلائے جاگ مسلماں جاگ

ظالم اور کمینہ صفت حاکم

اپنے سوا ہر ایک کو بے ایمان سمجھنے اور شک کی نگاہ سے دیکھنے والے کو کبھی کبھار اپنے گریبان میں بھی جھانک لینا چاہیئے کہ بات بات پہ دوسرے کو ذھنی اذیت دینا کتنا برا ہے ۔ اگر اسی اذیت سے اسے دوچار کردیا جائے تو کیا اس کی تاب لانا اس کے بس میں ہوگا ؟ اچھے سلوک اور رحم وکرم سے محروم حاکم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی محرومیوں کا بدلہ اپنے ماتحتوں سے لیتا رہے ۔

(قسط دوم)

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی

سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ

ایک مظلوم ترین شخصیت !

حاکم کی اس روایت کو اگر درست مان لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ سے بغض تھا اور آپ بنو امیہ کے خاندان کو پسند نہیں فرماتے تھے تو پھر آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن افعال کی کیا تاویل کریں گے جو آپ نے اپنے حُسنِ سلوک کی وجہ سے بنو اُمیہ سے کئے ——— ؟ آپ نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیھن بنو اُمیہ کے حضرات کی زوجیت میں کیوں دیں ——— ؟ سیدنا علی رض اور حضرات حسنین رض کی صاحبزادیاں بنو امیہ کے خاندان میں کیوں بیاہی گئیں ——— ؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا جو بنو امیہ کے رئیس سیدنا ابو سُفیان رض کی صاحبزادی تھیں، کو اپنی زوجیت میں کیوں لائے ؟ سیدنا عبد اللہ بن جعفر طیار رض کی صاحبزادی سیدہ ام محمد یزید بن معاویہ رض کے نکاح میں کیوں دی گئیں ؟ اور انکی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح سیدنا ابان بن عثمان رض بن عفان کے ساتھ کیوں کیا گیا ؟ سیدنا علی رض کی صاحبزادی رملہ بنت علی رض کا نکاح معاویہ بن مروان بن الحکم سے کیوں ہوا ——— ؟

یہ تو چند ایک نکاحوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اگر آپ تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں آپس میں اس قدر رشتہ داریاں تھیں جن کا شُمار بہت زیادہ ہے اسکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں اس کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب " بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رشتہ داریاں "۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ سیدنا علی رض نے سیدنا معاویہ رض کو مخاطب کر کے فرمایا تھا :

لم یمنعنا قدیم عزنا ولا عادی طولنا علی قومک آن خلطناکم بانفسنا فنکحنا وانکحنا فعل الاکفاء ———

(اے معاویہ رض) آپ کی قوم پر ہمارے قدیم غلبہ نے ہم کو اس بات سے نہیں روکا کہ ہم آپ لوگوں کو اپنے قبیلہ میں شامل کریں۔ لہٰذا ہم نے تم سے نکاح کئے اور تمہارے ساتھ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے نکاح کر دیئے،

جیسا کہ ہم کفو لوگ آپس میں رشتے لیتے دیتے ہیں۔ (نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ مروان رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد الحکم رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ثابت نہیں ہوتی اور جو روایات مختلف کتابوں میں اس بارہ میں ہیں وہ بالکل وضعی اور مجہول، کذاب اور شیعہ راویوں کے خبثِ باطن کا نتیجہ ہیں۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ صغار صحابہ میں سے ہیں اور صحابہ کے اس زمرہ میں شامل ہیں ـــــ جن میں ـــــ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ شامل ہیں، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

وهو صحابي عند طائفة كثيرة لأنه ولد في حياة النبي صلى الله عليه وسلم

اور اکثر لوگوں کے نزدیک وہ صحابی ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیدا ہوئے۔

(البداية والنهاية جلد ۸ صفحہ ۲۵۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے انکو صحابہ کی اُس قسم میں ثابت کیا ہے جنہیں سماع کا شرف تو حاصل نہیں البتہ رویت کا شرف حاصل ہے۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۴۳)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

فقد يكون ابوه حج مع الناس فرآه في حجة الوداع ولعله قدم الى المدينة فلا يمكن الجزم بنفي رؤيته للنبي صلى الله عليه وسلم۔

آپ کے والد نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا اس وجہ سے آپ (مروان رضی اللہ عنہ) نے حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا اور شاید وہ مدینہ طیبہ بھی گئے ہوں پس یقین کے ساتھ ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۹۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ انکی طرف منسوب نہیں ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انکی علمی اور فکری قابلیتوں کی وجہ سے اپنے دورِ خلافت میں انہیں اپنا کاتب مقرر فرمایا۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے داماد بھی تھے اور آپ کی صاحبزادی ام ابان بنت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے نکاح میں تھیں[1]۔ حکم آپ کے چچا تھے اس لحاظ سے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ آپ کے چچا زاد بھائی بھی تھے۔ ہمارے ارباب تواریخ بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سیکرٹری شپ کے زمانہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ برپا کیا تھا، حالانکہ یہ بات از سرتاپا غلط ہے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکثر خود

---

[1] نسب قریش صفحہ ۱۱۲، تحت اولاد عثمان رضی اللہ عنہ

فیصلے فرماتے تھے ۔ اور خود ہی پالیسی متعین کرتے تھے صرف سیدنا مروان رضؓ کو اس پر عمل درآمد کرنے کا حکم دیتے تھے۔ سیدنا مروانؓ پالیسی بنانے والے نہیں تھے ۔

سیدنا عثمان رضؓ کے زمانہ میں آپ پر فتنہ برپا کرنے کا سب سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے والی مصر کے نام خط میں لکھا تھا کہ جب حامل خط آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قتل کر دیں ۔ اوّل تو یہ خط ہی بالکل غلط ہے کیونکہ گورنر مصر اس وقت مصر میں موجود ہی نہیں تھے بلکہ وہ مدینہ طیبہ آ رہے تھے لہٰذا ان کو آپ یہ خط کیسے لکھ سکتے تھے اور اگر اس خط کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی عبارت وہ نہیں جو ظاہر کی جاتی ہے بلکہ آپ نے یہ لکھا تھا کہ جب حامل مکتوب ہذا آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قبول کیجئے ۔ اس " قبول کیجئے " کے مفہوم کو انہوں نے " فاقبلوا " کے لفظ سے تعبیر کیا تھا لیکن فتنہ پرداز سبائیوں نے اس کو " فاقتلوا " یعنی " قتل کر دیجئے " بنا دیا ۔ اور جان بوجھ کر اس خط کو فتنہ کا نقطۂ آغاز بنا دیا ۔ (تدریب الراوی صـ ۱۵۱)

یہ اس صورت میں ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سیدنا عثمان رضؓ نے کوئی خط لکھوایا تھا ، لیکن تاریخ کے اوراق اور واقعات کے نشیب و فراز اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضؓ نے اس بارہ میں کوئی خط ہی نہیں لکھوایا تھا بلکہ فتنہ پرداز سبائیوں نے اپنے پاس ہی سے خط بنا لیا تھا ۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق میں صاف لکھا ہے کہ جب تیسری مرتبہ سبائی یورش کر کے مدینہ طیبہ آئے تو چند صحابہ کرام رضؓ جن میں سیدنا علی رضؓ بھی شامل تھے مفسدین کے پاس گئے اور ان کے اس طرح اچانک آنے کا سبب پوچھا ، طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضؓ نے مفسدین سے پوچھا :

تمہارے واپس جانے کے بعد پھر واپس آنے اور تمہارا اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے ؟

(طبری جلد ۳ صـ ۳۹۱)

انہوں نے جواب دیا :

ہم نے ایک قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے ۔

سیدنا علی رضؓ نے ان سے سوال کیا ۔

" اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا (کہ انہوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اس سے ایک خط حاصل کیا) اس واقعہ کا تمہیں کیسے علم ہو گیا کہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے پھر تم اکٹھے ہو کر یہاں آ گئے ۔ بخدا ! یہ تو مدینہ ہی میں کی گئی ایک سازش ہے ۔ انہوں نے جواب دیا

آپ اس کو جس پر چاہیں محمول کریں ہمیں تو اس شخص (سیدنا عثمان رض) کی ضرورت نہیں، ہم تو اس کو معزول کر کے ہی دم لیں گے"۔

(طبری جلد ۳ صفحہ ۳۸۷، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۸، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۷۴)

سیدنا علی رض کا سوال بصرہ اور کوفہ کے سبائیوں سے کتنا معقول تھا کہ تم تینوں کے راستے مختلف تھے۔ اور خط اہلِ مصر نے پکڑا۔ اس خط کا تمہیں کیسے علم ہوگیا ——؟ اس سوال کا سبائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ——

طبری نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ یہ لوگ ایک خط لئے ہوئے سیدنا علی رض کے پاس آئے اور کہا کہ سیدنا عثمان رض نے ہمارے بارے میں یہ خط لکھا ہے جو ہم نے ایک قاصد سے پکڑا جو یہ خط لے کر مصر جا رہا تھا۔ لہذا اب اللہ نے عثمان رض کا خون ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ ہمارے ساتھ عثمان رض کے پاس چلئے۔ سیدنا علی رض نے فرمایا "واللہ! میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گا" اس پر باغیوں نے سیدنا علی رض سے کہا : فلم کتبت الینا ——؟

پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا ؟

آپ نے فرمایا :

واللہ! ما کتبت الیکم کتاباً خط ——

بخدا، میں نے کبھی بھی تمہیں کوئی خط نہیں لکھا۔

سیدنا علی کے منہ سے یہ بات سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

ألهذا تقتلون ولهذا تغضبون :

کیا تم اسی کے لئے لڑتے ہو اور اسی کے لئے غضبناک ہوتے ہو ——؟ (طبری جلد ۳ صفحہ ۳۹۱)

بے نظیر امامت

عورت کی سربراہی کو سندِ جواز مہیا کرنے کے لئے ایک صحابیہ رسول سے مقبول حضرت اُمِ ورقہ کی امامت کا پرچار کرنے والے نام نہاد سکالرز۔ علماء سُو اور جمہوری جانوروں کو بے نظیر کی امامت میں نماز ادا کرنی چاہیئے۔ اور جب بے نظیر عوام کو پیاری ہو جائیں۔ تو یہ حضرات اپنی اپنی بیگم کی امامت میں نماز ادا کرنا نہ بھولیں۔

شہیدِ تیغِ ابنِ سبا

دامادِ رسولؐ، امامِ مظلوم و شہید خلیفۂ سوم سیدنا عثمانؓ بن عفان (سلام اللہ و رضوانہ علیہ)

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

ابنِ علیؓ کو حد سے بڑھایا نہ جائے گا
انسان کو خدا تو بنایا نہ جائے گا

کتنا بلند کیوں نہ ہو غیر نبیؐ مگر
پھر بھی نبیؐ سے اس کو ملایا نہ جائے گا

بنیادِ لا الٰہ تو ہوتا ہے خود رسولؐ
ناتے کی جا واسطہ سمجھایا نہ جائے گا

دراصل اہلِ بیت ہیں ازواجِ طاہرہؓ
اولاد کو تو ماں سے بڑھایا نہ جائے گا

اِک فردِ حق پسند ہو۔ اُمت ہو کفر کوش؟
یہ کلمۂ نفاق پڑھایا نہ جائے گا

اصحابؓ فسق کیش ہوں، معصوم ہو حسینؓ؟
یہ زہر اہلِ حق سے تو کھایا نہ جائے گا

مجبور و بے قصور۔ ہیں۔ محصور و تشنہ کام
دامادِ مصطفیٰ کو ستایا نہ جائے گا

اب نائلہؓ کے بال بھی نوچے نہ جائیں گے
اور انگلیوں کا ہار بنایا نہ جائے گا

اب لاشۂ شہید کو بے گور و بے کفن
رکھ کر مکاں میں۔ جشن منایا نہ جائے گا

عشاقِ تیغِ ابنِ سبا۔ کو رہے خبر
عثمانؓ کا خوں اُن سے چھپایا نہ جائے گا

ہرگز کبھی بھی حضرتِ عثمانؓ کی لاش پر
اب تختِ اقتدار بچھایا نہ جائے گا

ماں جو خطا شعار تھی بیٹے کو کیا ہوا
یہ اجتہاد پھر سے چلایا نہ جائے گا

کونچیں جمل کی بصرہ میں کاٹی نہ جائیں گی
محمل بھی "عائشہؓ" کا گرایا نہ جائے گا

جن ظالموں نے لوٹ لی حرمت رسولؐ کی
"قہرِ خدا" سے ان کو بچایا نہ جائے گا

پوچھیں گے جب رسولؐ ہی غمگیں، بہ چشمِ تر
محشر میں۔ پھر جواب۔ بتایا نہ جائے گا

بیٹوں کے اس سلوک کا دفتر کھلے گا جب
پھر ماں کا احتجاج دبایا نہ جائے گا

بندش زباں پہ ہو کہ پہرے قلم پہ ہوں
یوں جوشِ انتقام بجھایا نہ جائے گا

نورِ نگاہِ سیدہ "ہندہ" کا مرتبہ
کوئی بھی ہو کسی سے گھٹایا نہ جائے گا

واجب ہوا ہے ہم پہ دفاعِ "معاویہؓ"
دامن معاویہؓ کا چھڑایا نہ جائے گا

ابنِ سبا کی نسل بھی سن لے یہ دانشگاف
نامِ معاویہؓ کو مٹایا نہ جائے گا

کٹتا ہے سر تو کٹ گرے۔ لیکن سبائیو!
پرچم معاویہؓ کا گرایا نہ جائے گا

"نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا"

مکتوب از دفتر سازمانِ جہانی مجاہدینِ اہلِ سنّت ایران:

ایران میں مومنین اہلِ سنّت پر مظالم کی داستان

" یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ ایران میں کم از کم ۳۰ فی صد اہلسنت رہتے ھیں۔ اگر حقیقت بین آنکھوں سے دیکھا جائے، واضح ہوجاتا ہے کہ اصل میں ایران ایک سنی ملک ہے۔ کیونکہ شیعہ رہنماؤں کے اعتراف اور تاریخ کی شہادت کی رو سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسماعیل صفوی کی حکومت سے قبل ایران کی اکثریت سنی تھی اور سب سے پہلے اسماعیل صفوی ملعون نے بزورِ شمشیر اور مکروفریب سے اہلسنت کے نام و نشان کو ایران سے مٹانے کی کوشش کی "

اس مقصد کیلئے اس نے لاکھوں سنی مسلمان اور دانشور حضرات کو تہ تیغ کر دیا، مظلوم سنیوں نے اپنی جان کی حفاظت کیلئے دور دراز اور خشک و بے آباد پہاڑی علاقوں کا رخ کیا اور وہاں موت و حیات کی حالت میں سانس لینے لگے۔ یہاں تک کہ زمانہ گزرتا گیا اور انکی مسلسل پیہم اور انتھک جدوجہد سے تمام حقوق سے محروم تھے لیکن اپنے تمام محرومیت اور مظلومیت کے باوجود اپنے نجی اور مذہبی امور میں بالکل آزاد تھے۔ جب سے اسلام کے نام پر خمینی انقلاب وہاں آیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خمینی حکومت نے سنیوں کو مٹانے اور پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا یہ تو

سنی مدارس اور مساجد تباہ و برباد کر دیے گئے ھیں۔

ان پہاڑی علاقوں میں چھوٹے شہر اور بستیاں وجود میں آگئیں، یہی وجہ ہے کہ آجکل ایران کے چاروں طرف دور دراز علاقوں میں اہلسنت رہائش پذیر ھیں اور انکے شہر اتنے آباد اور بارونق نہیں ھیں، اب خمینی نژاد حکومت کی نظر انہی شہروں پر جمی ہوئی ہے، خمینی انقلاب تک اہلِ سنّت تو خاموشی اور آرام سے سانس لے رہے تھے اگرچہ سابق شاہ کے دور میں بھی اہلِ سنت اپنے تمام سب مسلمان جانتے ھیں کہ شیعہ اسلام اور مسلمانوں کے وفادار نہ ھیں اور نہ ہوسکتے ھیں لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں اب یہ شعور نہیں رہا جسکے باعث اب وہ دشمن کو بھی اپنا دوست سمجھ لیتے ھیں اسی نمائشی دوستی اور ھمدردی کے پردے میں خمینی نژاد حکومت عالمِ اسلام کو ہضم کرنیکی بھرپور

کوشش کر رہی ہے اور مسلمانانِ عالم خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایران میں اہلِ سنت

خمینی کے ساتھی آیت العظمیٰ برقعہ ای تہرانی کو شیعہ مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنیکے جرم میں جیل میں بند کر دیا گیا ہے

کی کیا حالت ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ اور وہاں کے مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور بخوبی نہیں جانتا اور ہمارے لئے بھی یہ آسان نہیں ہے کہ تفصیل سے وہاں کے حالات کو عالم اسلام کے مسلمانوں تک پہنچا سکیں لیکن ہم تمام مسلمانوں تک یہ بات پہنچانا چاہتے ہیں کہ ایران میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خمینی نژاد حکومت اس پہ تلی ہوئی ہے کہ قرآن و سنت کی شعاعوں کو سرزمین عرب سے مٹا دے اور مسلمانوں کے نام و نشان کو ایران سے ختم کر دے اسی لئے انہوں نے گزشتہ آٹھ سالوں میں جہاں تک انکے سیاسی مفادات نے اجازت دی سنی علماء کو دبانے اور ختم کرنیکے کی کوشش کی بہت سے سنی مسلمانوں کو خود ساختہ بہانوں سے شہید کر دیا گیا ہے اور انکے لاتعداد دینی مراکز و مدارس اور مساجد کو مختلف حیلوں سے مٹا دیا ہے اور مزید مٹا رہے ہیں اب تک جو کچھ سنیوں پر ہوا ہے اگر تفصیلاً ذکر کیا جائے تو مثنوی ہفتاد من بن جائیگی اس لئے ہم تفصیل میں جانے کی بجائے چند باتیں عرض کرتے ہیں:

خمینی نژاد حکومت نے سنی مراکز کو مٹانے اور بند کرنے کے ساتھ ساتھ سنی اکثریتی صوبوں اور شہروں میں شیعی مدارس و مراکز قائم کیے ہیں اور کر رہی ہے یہاں تک کہ اُن علاقوں میں جہاں کوئی ایک بھی شیعی گھرانہ نہیں ہے وہاں بھی حکومت نے شیعی مسجد مدرسہ اور کتب خانہ کا انتظام کیا ہے اور سنی علاقوں کے سکول و کالجوں میں زیادہ تر شیعہ اساتذہ کا تقرر کیا جاتا ہے اور جہاں بھی ایک سنی سکول ٹیچر ہوگا اسکو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ دین و مذہب سے متعلق

مومنین اہلِ سنت کو اپنے اکثریتی صوبوں اور شہروں میں بھی دینی فرائض کی ادائیگی کی اجازت نہیں۔

کوئی بات کر سکے اور اگر یہ پتہ چل جائے کہ کوئی سنی ملازم یا ٹیچر مذہبی ذہنیت رکھتا ہے، فی الفور اُسے ملازمت سے نکال دیتے ہیں اس طرح سنی اکثریت کے صوبوں اور شہروں میں بڑی تیزی سے شیعوں کو رشوت و لالچ دیکر اور تمامتر سرکاری سہولتیں مہیا کر کے اہلِ سنت پر مسلط کیا جا رہا ہے اور اس طرح سنی تشخص کو ختم کرنے کی ناپاک کوشش جاری ہے۔

سال رواں میں جہاں اور بہت سے سنی علماء طلبا اور تعلیم یافتہ طبقہ کو خمینی نژاد حکومت نے پابند

سلاسل کر دیا ہے وہاں ان
مذھبی رھنماؤں کو بھی گرفتار کیا گیا ہے جو کسی وقت
میں خمینی سے بھی زیادہ علمی اور سیاسی
فوقیت رکھتے تھے ان میں سے ایک
آیت اللہ العظمیٰ برقعہ ای تہرانی
حفظ اللہ ھیں : یہ وہی معروف شخصیت ھیں
جنہوں نے آیت اللہ شریعتمداری کے ساتھ
خمینی کے علمی سرٹیفکیٹ (سندِ فراغت) پہ
دستخط کئے تھے اور یہی وہ شخصیت ھیں جو ایک
زمانے تک ایرانی شیعوں کے پانچ مجتہدین
میں سے ایک تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پہ فضل وکرم

شاہ کے دور میں بھی اھلِ سنّت پر ظلم ہوا مگر خمینی حکومت سے زیادہ آزادیاں تھیں ۔

کر کے نظر بند کر دیا گیا ہے اُن پہ الزام لگایا گیا ہے
کہ وہ اصفہان شہر میں قرآن و سنّت کی شیعی نقطہ نظر
کے خلاف اشاعت کرتے ھیں اور وہاں کے
مخلص مسلمانوں کیلئے مسجد بنانے کی کوشش کر رہے
ھیں۔ اسی طرح جناب مولانا قریشی مدظلہ فاضل مدینہ
یونیورسٹی کو ایرانی حکومت نے زیرِ حراست لیکر
ہزاروں مسلمانوں کو اُنکی دینی تعلیمات سے محروم کر رکھا ہے موجودہ
شیعی حکومت کی یہ کوشش ہے کہ ہر ندائے حق

مومنینِ اھلِ سنت کو اذان اور نماز کی ادائیگی کی اجازت نہیں ۔

کر کے ان کو صراطِ مستقیم کی ھدایت کی اور انہوں نے
شیعہ مذھب سے برأت کا اعلان کیا اس انقلابی
اقدام پہ گزشتہ سال شیعہ انقلابی گارڈ کے
غنڈوں نے ان پہ قاتلانہ حملہ کیا لیکن اللہ تعالے
نے ان کو اپنے فضل سے بچا لیا۔ تین ماہ سے
زائد عرصہ ہونے کو ہے کہ خمینی نژاد حکومت نے بجرم
قبولِ حق اور اشاعتِ قرآن انہیں گرفتار کر کے
جیل کی کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے اسی طرح "اصفہان"
کی معروف علمی و دینی شخصیت جناب حجۃ الاسلام
والمسلمین رضا زنگنہ کو اسی نوعیت کے جرم میں گرفتار

کا گلا گھونٹ دے اور توحید و سنّت کی شمع فروزاں
کو بجھا دے۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ
وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۔

اب ھم تمام عالم کے مسلمانوں سے یہ التماس
کرتے ھیں کہ خدا کے لئے اپنے ان مظلوم مقہور
بہن بھائیوں کے لئے کچھ سوچیں اگر کچھ نہیں کر سکتے
تو کم سے کم انکی حالتِ زار سے عبرت حاصل کریں
اور دنیا والوں کو ان دردناک مظالم سے باخبر
کریں جو وحدت و اتحاد کے خوشنما نعروں کے پس پردہ

اُن پر ڈھائے جا رہے ہیں مگر نہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے گرفت سے نہیں بچ سکے گے۔ ایران کے جو باطل جذبات رکھنے والے لوگ (کمیونسٹ، سوشلسٹ، بہائی

اور دینی و مذہبی درد رکھنے والے لوگوں کے اور تنظیموں پر ہوگی۔ ہم اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ ایرانی مکار حکمرانوں کے

سُنّی علماء اور طلباء کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا ہے۔

یہودی، سبائی، تبرائی، رافضی) وہاں سے بھاگ کر یہاں آتے ہیں یا کسی اور ملک میں جاتے ہیں۔ تمام باطل قوتیں ان کا آغوشِ باز سے استقبال کرتے اور ان سے اظہارِ ہمدردی اور تعاون کرتی ہیں۔ لیکن یہ بہت افسوس ہے کہ مسلمان تمام تر امکانات کے باوجود اپنے ان مظلوم بھائیوں پہ ترحم نہیں کرتے اور ان کو تسلی تک نہیں دیتے

وحدت امت اور نام نہاد اسلامی انقلاب کی آڑ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں

اور جو سُنی مسلمان ہجرت کر کے یہاں آجائے مجبور ہو جاتا ہے کہ اسلام دشمن تنظیموں سے پناہ طلب کر کے اُنکی وساطت سے اپنی مشکلات کو کچھ کم کر سکے اور اس احسان کے بدلے میں اپنے دین و مذہب حقّہ سے ہاتھ دھو کر اُن کا تابع ہو جاتے۔ اس صورتحال کی تمام تر ذمہ داری اسلامی ممالک کے سربراہان۔ علماء اسلام

خوش نما نعروں اور دلفریب باتوں سے دھوکہ نہ کھائیں۔ ایران کی موجودہ حکومت کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے

شیعت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والے تمام علماء اور نوجوان پابندِ سلاسل ہیں۔

کے خلاف ایک سازش ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو دورِ جدید کے تمام فتنوں سے بچائے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

بقیہ از صفحہ ۶۳

آخر میں خدائے وحدہٗ لاشریک سے دُعا ہے کہ وہ اپنی رحمت کا رشتہ قائم رکھے اور اس مُلک و قوم کی حفاظت فرمائے اور اپنے دین کا راستہ روشن کرے۔ اُس دین کا راستہ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس امّت کو بتایا ہے۔ آمریّت اور جمہوریّت دونوں سے نجات عطا کرے۔ خدا کی راہ میں آمریّت اور جمہوریّت دونوں ہی نہیں آتیں۔ یہ دونوں بہنیں ہیں اور ایک دوسرے کو نہایت پسندیدگی کے ساتھ اکٹھے رہنے کا یقین دلاتی رہتی ہیں۔ خدا ان سے ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ (آمین) [بشکریہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۱۰ تا ۱۶ نومبر ۱۹۸۹ء]

ایک ہفتہ
راولپنڈی میں

رُوداد سفر — فکر و نظر — احرار کا نقطۂ نظر

ملاقاتیں — گفتگوئیں — بیانات

سید عطاء المحسن بخاری

راولپنڈی پاکستان کے چیدہ شہروں میں سے ایک گھمسان کا شہر ہے۔ اس کے بازار تجارتی دھکم پیل کے بہت بڑے مرکز ہیں خصوصاً تو ڑاں بازار، اردو بازار، موچی بازار اور راجہ بازار میں سے آدمی پیدل بھی خاصی گھمسان کے بعد فراتِ بنی آدم عبور کر پاتا ہے۔ ضروریات زندگی کی ہر چیز انہی بازاروں میں تھوک و پرچون فراوانی سے دستیاب ہے۔ مارکیٹ ریٹ نسبتاً اعتدال کی زد میں ہیں۔ بعض بڑے تاجر جن کی زرداری کی بھوک کبھی نہ ختم ہونے والی "جوع البقر" ہے۔ ان کے ہاں اعتدال نامی نعمت عنقا ہے اور بڑا تاجر تو ہر دلیس کا خونی پنجے رکھتا ہے جو انسانی خون نچوڑنے کی مہارت تامہ رکھتا ہے اس کے ہاں انسانی ضرورتوں کی پاسداری کا تصور ہی نہیں ہے۔ چاہے اس نے دس حج کئے ہوں۔ اور وہ سب سے بڑے پیر دیول کا مرید ہی کیوں نہ ہو اس کے ہاں جس فکر کی ریل پیل ہے وہ ہے ڈیلی ٹارگٹ کی ACHIEVEMENT — ! وہ چاہے تو اشیاء پر صرف کی قیمتوں کو آپ کر دے اور چاہے تو ڈاؤن — ! گویا وہ خدا بزر ہے — مولوی کو چندہ دیگا تو اس لئے کہ اسکی گُدوں کی گرد تھم ہو، پیر کو نذرانے کی بھینٹ چڑھاتا ہے تو اس لئے کہ پیر کی دعاؤں سے مال دوگنا ہوگا۔ مسجد و مدرسہ میں مال لگائے گا تو اپنے نام کی تختی لکھوائے گا تاکہ بھکاری مولوی اس کے دروازے پر بنت دستک دیتا دکھائی دے۔ سیاسیات میں سیاسی مسافروں کا سفر خرچ برداشت کریگا تو اس سے مفادات کی کومٹ منٹ کریگا۔ ہماری اصطلاح میں اس رویے اور عمل کا نام "یہودیت" ہے جس کا بانی عہد حاضر کا موجد آدم سمتھ ہے اور اس کا مخلص پیروکار ہر بڑا اسیٹھ ہے۔ نفسانی آلودگیوں کے اس شہر میں آزادیوں کی علم بردار خاتون بھی اپنی تمام تر آن بان کے ساتھ جلوہ فرما ہے۔ بازاروں میں یوں گھوم رہی ہے جیسے ہندو دھرم کی گاؤ ماتا۔ لیکن ہندو گاؤ ماتا کی پوجا کرتا تھا اور مسلمان اُسے روز ذبح

کرسے بھونوں کے کام و دہن کی لذت بڑھاتا تھا اور اس عمل و ردِ عمل کے نتیجہ میں ہندو مسلم فسادات ہوتے تھے مسلمانوں اور ہندوؤں کے بہت سے جیالے اس یدھ میں چنگھاڑتے سورگ ہو جاتے تھے۔ اب تو وہاں ہندو ہیں نہ ہندومت بلکہ دو قومی نظریہ کے پجاریوں کی آزادبستی ہے اور اسمیں نہ تکی گاتے خرداری کی طرح کیوں گھوم رہی ہے صرف اس لئے کہ فرائڈ کی جنسی نسل نظری، قلبی اور جسمی سکون پاسکے اس نسل کو سکون کی ضرورت ہے۔ جس سکون کو مشینوں کی گڑگڑاہٹ، ٹریفک کے شور اور زرداری کے فلسفہ نے اجاڑ کر رکھدیا ہے۔ اس اجاڑ موسم میں بانجھ دھرتی پر سکون کا حاصل کرنا جدلیت کے بغیر چونکہ ناممکن ہے اس لئے کارل مارکس یہودی کے فلسفہ جدلیت کی کاشت بہت ضروری ہے اور خزاں کے اس موسم سے بہتر کوئی موسم اسکی کاشت کیلئے بہتر نہیں اس فلسفہ کا جدید ترین انرجی والا بیج عورت ہے۔ عورت اور اس کا یہ بیج۔ بڑی فراوانی کے ساتھ سستے داموں مہیا کیا جا رہا ہے تاکہ انسان دوستی اور خدا پرستی کی فصل بارآور ہو سکے اور ہماری اصطلاح میں اسکو ہی یہودیت کہتے ہیں۔

راولپنڈی سے میرا رشتہ بہت پرانا ہے۔ پاکستان سے پہلے مجلس احرار اسلام کے اکابر یہاں تشریف لاتے تھے تو جہلم، کیمبل پور، پنڈی اور ہزارہ کے مسلمان جوق در جوق اکابرِ احرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق اور شیخ حسام الدین رحمہم اللہ کی کھری کھری اور سچی باتیں سننے کیلئے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ جدید و قدیم تہذیب کا سنگم تھے۔ جہاں علماء کرام ان کی مجلس میں بیٹھ کر اعزاز پاتے۔ وہاں جدید ذھن کے ورکر بھی سکون پاتے۔ چونکہ یہ علاقہ انگریزوں کی صحبتوں میں ڈھلا ہوا تھا اس لئے وہاں فرنگی سامراج کے خلاف بات کرنا لوگوں کو اچھا نہ لگتا تھا۔ حتٰی کے بعض علماء اور پیرانِ عظام تو لنگر لنگوٹ کس کے مقابلہ پر آجاتے اور ماحول کو گدلا دیتے حضرت امیر شریعت فرماتے "میں اکثر اس علاقے میں نصرانیت اور یہودیت کے خلاف قرآن کے حوالے سے گفتگو کیا کرتا تھا کہ قرآن مجید میں اللہ نے دو قوموں کو اپنا دشمن قرار دیا ہے:

"ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ یہ آپس میں تو ایکدوسرے کے دوست ہیں تم میں سے اگر کسی نے انھیں اپنا دوست بنایا تو وہ انھیں میں سے ہوگا (یہ ظلم ہے) اور بے شک تحقیق اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا[۱]"

اور بھی جتنی آیتیں تھیں میں نے پڑھیں ان کا ترجمہ کیا اور یہود و نصاریٰ کی اسلام اور مسلم دشمنی کے

---

۱ سورۃ مائدہ پ۶ آیت ۵۱

واقعات بیان کئے ان کے مکر و فریب اور ظلم و استبداد کو طشت از بام کیا تو اچانک ایک صاحب جو ظاہری شکل و صورت سے کوئی مولوی صاحب ہی معلوم ہوتے تھے بول اُٹھے کہ شاہ صاحب آپ کو قرآن میں سے صرف وہی آئتیں یاد ہیں جو ان کے خلاف ہیں اور کوئی آیت آپ کو نہیں آتی ؟ میں نے کہا جی ہاں مجھے تو یہی آیات آتی تھیں جو میں نے سنا دیں میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہوں نے (اور تم میں سے) ارباب اختیار اور لارڈ کلائیو، کرنل ہڈسن، لارڈ کرزن جیسے قاتلوں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کو وَ اُولِی اَلْاَمرِ مِنْکُمْ کا مصداق قرار دیا تھا! مولانا آپ کا رشتہ کہیں انھیں پیروں اور مولویوں سے تو نہیں۔ جن کے دل میں انگریز کی محبت اور ان سے وفا گھر کر چکی ؟ مولوی نما برطانوی نمک خوار ———— اپنا سا منہ لیکر چل دیا اور پلٹ کے دیکھا تک نہیں"۔ اب بھی مجلس احرار اسلام کے پرانے وفاداروں میں کچھ لوگ ستارہ صبح کی مانند جھلملا رہے ہیں۔ اُن سے ملنے نکلا تو اوّلیت مولانا میرزا سک صاحب کو دی۔ مولانا بنی مارکیٹ میں پانچ فٹ مربع کی ایک دکان میں اپنی دنیا سجائے بیٹھے ھیں تفسیر قرآن کریم، تاریخ قدیم و جدید اور ہومیو پیتھک کی سیکڑوں شیشیاں۔! ایسے لوگ جن کی روح اور جسم تو بیمار ہے مگر آنکھ صحت مند ہے اور عقل توانا، وہ شفا کی تلاش میں نکلتے ہیں تو انکی نگاہ میرزا سک پہ ٹک جاتی ہے۔ میر صاحب جو کبھی نیم دراز ہوتے ہیں اور کبھی چہار زانو مریض کو دیکھ کر دوا شیشی میں ڈال دیتے ہیں اور دعا رفضا میں تحلیل کر دیتے ھیں تاکہ مریض فضائی آلودگیوں سے بھی بچ رہے اور جلد صحت یاب ہو جائے بسیکڑوں مریض جو شفایاب ہوئے۔ میر صاحب اُنہیں اپنا شاگرد کہتے ہیں۔ میر صاحب ان تک اپنا نقطۂ نظر پہنچانے میں قطعاً بخل سے کام نہیں لیتے مگر....

ھم کو اُن سے وفا کی ھے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ھے

بے مہری ایام کو کیا کہئے کہ شخصیت کا حوالہ فکر نہیں نقد و زر ہے۔ زرداری کی ہوس اور شخصیت سازی کی بوالہوسی نے انسان کو کہاں پہنچا دیا ہے۔

بے دلی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
بے کسی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق

مجلس احرار اسلام کی تازہ مطبوعات میں سے "قادیان سے اسرائیل تک" بڑے معرکے کی کتاب

ہے۔ میر صاحب نے اس کے متعلق پوچھا تو انہیں وہ پیش کی گئی۔ فرمانے لگے یہ اپنے شاگردوں تک پہنچاؤں گا۔ میں نے عرض کیا حضرت اس عنایتِ خسروانہ کا اس جہاں میں تو کوئی صلہ نہیں ہے آپ کب تک ان بے مہر شاگردوں کی بیماریوں میں اضافہ کرتے رہیں گے ان سے قیمت ضرور وصول فرمائیں میرے دوسرے ساتھی شیخ جمال الدین محمد انور بول اٹھے کہ شاہ صاحب! اب میر صاحب نے علاج بالقدبھی سے شروع کر دیا ہے۔ شیخ جمال الدین محمد انور بھی احرار ساتھی ھیں۔ شباب کی منزلوں سے ڈھل کر کہولت کی وادی میں اتر چکے ھیں اور دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے شیخ کی منزل مراد پر پہنچنے کی روانی میں ھیں۔ آپ بھی ہومیوپیتھک کامیاب پریکٹیشنر ھیں لیکن آغازِ شباب کی لاابالیوں کے اثرات ابھی تک ان کی شخصی اور جماعتی زندگی کو گھیرے ہوئے ھیں نہایت مخلص وفادار اور سچے ساتھی ھیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی شخصیت سے بے پناہ حد تک متاثر بلکہ مرعوب ھیں بقول اقبال "اشتراکی کوچہ گرد" انہیں مولانا کہتے ھیں۔ کیونکہ ان کی گفتگوؤں کا حوالہ قرآن کریم ہے شیخ صاحب پاکستان میں قرآن کے ریاستی نظام پہ اشتراکیوں سے تفصیلی گفتگو کرتے ھیں انہیں متانت کیساتھ قائل کرنے کی کوشش کرتے ھیں۔ مگر وہ ہر بات کا توڑ مارکس کی جدلیات کے حوالے سے تلاش کرتے ھیں حالانکہ اب یہ بات فلسفہ نہیں واقعہ ہے کہ مارکس کا فلسفۂ جدلیت ایشیا میں چاروں شانے چت ہوگیا ہے اور گورباچوف کی انسان دوستی افغانستان میں خون کے آنسو رو رہی ہے اور خدا پرستی میں اضافہ کر رہی ہے۔ پھر ہم مرزا غلام قادر صاحب کے ہاں چلے گئے۔ مرزا صاحب ہمارے بہت ہی ہنس مکھ، مرنجان مرنج، خوش دل اور وسیع القلب ساتھی ہیں۔ جب احرار سے وابستہ ہوئے، بس احرار کے ہو کر رہ گئے، سیاسی نشیب و فراز میں اپنی رائے ضرور رکھتے ہیں مگر کسی پہ دباؤ نہیں ڈالتے جچی تلی گفتگو کرتے ہیں اور مزدوری کر کے بچوں کی روزی کماتے ہیں۔ بڑی مروت سے پیش آئے، ترجمانِ احرار، ماہنامہ نقیب ختم نبوۃ کی ترویج واشاعت کے لئے سرگرم ھیں اور خصوصی تعاون فرماتے ھیں۔ کھلا دسترخوان ہے۔ احباب کی خدمت سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ________ انہی دنوں ان کے دادا جان ۱۰۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور وہ علی الصبح فیصل آباد چلے گئے اور یوں ہماری یہ ملاقات ادھوری رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے اور ان کے دادا جان کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا ٹکڑا بنائے۔ آمین۔

مرزا صاحب کا ایک ہونہار فرزند ہے ابوبکر، جو انگلش میڈیم سکول کا ہونہار طالب علم ھے۔ گزشتہ

ماہ اُسے "اساتذہ سے حسنِ سلوک کا" انعام ملا جو پورے سکول میں منفرد انعام ہے۔ اس دور میں اور اساتذہ سے حسنِ سلوک ہاسبحان اللہ۔ اللہ کرے ابو بکر نام اور کام کی نسبت سے اسم بامسمیٰ ہو۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

اقبال نے نسلِ نو کے لئے بھرپور دعا کی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کی اولادوں کے لئے یہ دعا قبول فرمائے۔ ناصر کاظمی بھی ایرانی ذوق کا شاعر تھا اور محض شاعر اس نے اپنے "ذوقِ نابالغ" کے لئے ایک شعر کہا تھا

بہت ہی سادہ ہے تو اور زمانہ ہے عیار
خدا کرے کہ تجھے شہر کی ہوا نہ لگے

ہمارا ماحول صرف مشینی دھوؤں، بسوں کے دھوؤں سے ہی آلودہ نہیں۔ ان آلودگیوں کا مقابلہ تو ہمارے اجسام کر سکتے ہیں لیکن کلچر، ثقافت، عریانی، فحاشی، بے پردگی، گانے بجانے، ناچنے کودنے اور جنسی انارکی کی آلودگیوں سے نوجوانوں کا بچ نکلنا یا اُن کو بچا کر منزلِ مقصود تک لیجانا اب کسی کے بس میں نہیں رہا جس گھر میں جاؤ اسی آگ سے جھلسے ہوئے لوگوں کی سسکیاں اور ہچکیاں روح کو پگھلا رہی ہیں ہر ہوشمند اور باشعور شہری ان آلودگیوں کی گمبھیرتا کے سامنے پڑا سسک رہا ہے۔ اور جو لوگ اصلاحِ احوال کی فکر سے لیس ہو کر دعوتِ مبارزت دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں وہ لوگ کبھی کبھی اور کہیں نظر آتے ہیں تو ڈھارس بندھ جاتی ہے اور جیسے ہی وہ آنکھ سے اوجھل ہوتے ہیں تو پہاڑ اوجھل ہو جاتے ہیں۔ دو قومی نظریہ کی اسلامی تشکیل کے بعد سرزمین پاکستان کا حصول لیکن پاکستان کے بیالیس سالہ اپوا کی تنظیم سے لیکر بینظیر سرکار تک اقدار، اخلاق اعمال اور عقائد کی پامالی وزبوں حالی پہلے کبھی ایسی تو نہ تھی۔ معاشی بدحالی بھی انہیں مظالم کا نتیجہ ہے جو قوم کسی گوشۂ حیات کے اخلاق پابندنہ ہو گی وہ زندگی کے کسی شعبہ میں بہتر نہیں ہو سکتی وہ اپنی قومی زندگی درست نہیں کر سکتی چہ جائیکہ قوموں کی رہنمائی کرے۔

مرزا صاحب کی دکان سے ہم مولانا محمد رمضان علوی مدظلہ کی خدمت میں اکال گڑھ پہنچے۔ مولانا خاندانی مولانا ہیں۔ آپ کے اجداد دینی خدمات کو فریضہ سمجھ کر صدیوں سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں آپکے

فرزند مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی بھی اسی وراثت کے زندہ و تابندہ وارث ھیں۔ مولانا پیرِ گو بزرگ ھیں انکی مجلسیں زندہ مجلسیں ھیں آدمی اُن کے پاس بیٹھ کر بور نہیں ہوتا۔ تذکرۂ اسلاف مولانا کا پسندیدہ موضوع گفتگو ہے مولانا ایک عرصہ سے جمہوری سیاست سے کنارہ کش ھیں وجہ پوچھی تو فرمایا کہ "ہم فقیر لوگ اس کوچہ میں جانے کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس کوچہ و بازار کے باسی اگرچہ تہذیب کے مدعی ھیں۔ مگر شاہ صاحب اس میں اتنی عفونت اور سڑاند ہے کہ دماغ پھٹنے لگتا ہے اور دل گھٹتا ہے۔ اس بازار میں سے وہی گزر سکتا ہے جو ایئر کنڈیشنڈ بلٹ پروف کار میں سوار ہو، اُسکے رنگین شیشے بند ہوں، اندر والے سب کو دیکھیں، اُنہیں کوئی نہ دیکھے"

مولانا نے دورانِ گفتگو مذھبی طبقاتی کشمکش پہ بھرپور وار کئے اور ھمیں بھی چونکا دیا۔ کہنے لگے:

"مولویوں نے تحریری پروگرام کے ماتحت فروعی مسائل میں اتنی شدت پیدا کی کہ انسان نفرتوں کی آگ میں ڈھل گئے ایک واقعہ مجھے یاد آگیا کہ اہل حدیث مسلک کے لوگ احناف کی ایک مسجد میں جاتے اور آمین بالجہر کہتے یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ایک دن فتنہ برپا ہوگیا۔ اونچی آمین کہنے اور آہستہ آمین کہنے پر خوب تھو کا فضیحتی ہوئی بات بڑھی اور مقدمہ کچہری میں چلا گیا۔ افسر مجاز نصرانی تھا۔ بحث مباحثہ ہوا اور خوب ہوا۔ فیصلہ کے روز انگریز افسر نے کہا کہ ویل! مولانا صاحبان نے گفتگو اور بحث کے دوران ہم نے دونوں کے دلائل سنے اور اور بات سمجھ میں آئی کہ آمین بالسّر کہنا اور آمین بالجہر کہنا آپ کے پرافٹ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہے مگر "آمین بالشّر" کہنا کہیں سے ثابت نہیں لہذا آپ خاموش رہا کریں ورنہ اپنی نماز الگ پڑھیں۔ اور اب یہ عالم ہے کہ صلوٰۃ و سلام کی موجودہ صورت کا جو شخص قائل نہیں اُسے کافر کہا جارہا ہے اور مسجدوں پر قبضہ غاصبانہ کی نئی طرح ڈال دی گئی ہے۔ میرے پاس بڑے بڑے پیشہ ور واعظ آتے ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو ایسی گفتگو کا موقع ہی نہیں دیا۔ میری اقتدار میں دیوبندی بریلوی اور اہل حدیث تینوں آرام و سکون سے نمازیں ادا کرتے ھیں میں نے کبھی اس مکروہ مہم میں حصہ نہیں لیا۔"

مولانا نے بہت ہی حسنِ سلوک فرمایا، اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ مولانا کو اللہ پاک نے اولادِ صالح عطا فرمائی ہے جو مولانا کی فرماں بردار ہے اللہ سب علماء و صلحا کو اولادِ صالح دے۔

دوسرے روز بھی مولانا کے ہاں محفل جمی۔ مولانا نے حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کا جس کی آج کسی دیوبندی مولوی سے توقع کم ہی کی جاسکتی ھے۔ ——

ہے کہ جب مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم کے فرزند مولانا حامد رضا خاں صاحب کا وصال ہوا تو قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے آدھ گھنٹہ تک ختم قرآن کی محفل سجائی، ہم سولہ سولہ لڑکے تھے۔ اندازہ کیجئے کتنے قرآن انکے ایصال ثواب کیلئے پڑھے گئے ہوں گے۔ میاں نے لقمہ دیتے ہوئے عرض کیا حضرت! مسٹر کوثر نیازی نے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے حوالہ سے اپنے کالم میں ایک واقعہ اس سے بھی اہم لکھا تھا کہ جب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے انتقال کی خبر حضرت اقدس حضرت مجدد ملت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو ملی تو مولانا نے فوراً ان کی مغفرت کی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ اب نہ جانے ہمارے منبر و محراب کے وارثوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے ایکدوسرے کے اکابر و اسلاف کو گالی گفتار اور دشنام والزام سے نوازنا شروع کر رکھا ہے اور جو مولوی اس فن میں اتارو ہے وہی خطیب العصر ہے (انا للہ وانا علیہ راجعون!)

میں نے مزید عرض کیا کہ حضرت آج کل تو کمہار، میراثی، شیخ، بڑھئی، ارائیں سب اپنے آپ کو فاروقی عثمانی اور سید لکھ رہے ہیں اور کہلوا رہے ہیں۔ جو شخص ان مولویوں کو اس نام سے نہ لکھے اس کے خلاف یہ لوگ جاتے ہی نہیں۔ فرمانے لگے یہ باتیں قوموں کے زوال اور نکبت و ادبار کی واضح علامتیں ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب علامات قیامت اور مشکوٰۃ شریف کی کتاب الفتن زیر مطالعہ رہے تو انسان بھٹکنے سے بچا رہتا ہے۔ مولانا کے یہاں سے اٹھ کر میں احرار کے ایک اور بوڑھے کارکن صوفی غلام حسین صاحب کے ہاں گیا۔ صوفی صاحب ایک عرصہ سے سمو سے بیچتے ہیں اور معاشی جنگ میں مصروف ہیں۔ اب خوش حال ہیں (لیکن خشک نہیں ہیں) صوفی صاحب بھی اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق ابلاغ فکر میں مصروف رہتے ہیں ان کے ہاں مختلف فکر و نظر کے عوامی افراد آکے بیٹھتے ہیں اپنی بساط کے مطابق مجلس احرار کے ماضی و حال پر گفتگو ہوتی ہے۔ صوفی صاحب جس دور کی یادگار ہیں اس دور میں چونکہ احرار کا تقریری پروگرام بہت مضبوط اور مسلسل تھا وہ آج بھی اسی حوالے سے سوچتے اور عمل کو آگے بڑھاتے ہیں فرمایا آپ آئے تو ہیں ایک تقریر کر دیں میں نے انکی پیرانہ سالی کے پیش نظر یہ خواہش پوری کرنے کا وعدہ کر لیا۔ راولپنڈی اسلامیہ ہائی سکول کے پڑوس میں ایک مسجد کا انہوں نے فرمایا۔ اور میں عشاء کی نماز کے وقت وہاں پہنچ گیا۔ ۹ بجے بیان ہوا میں نے ایک گھنٹہ کے بیان میں انسان کے بنائے ہوئے ریاستی نظام کی خرابیاں، نقصانات اور کمزوریاں بیان کیں اور حکومت الٰہیہ کے فوائد، خوبیاں اور کمالات مختصراً بیان کئے کہ:

ہر نظام حکومت کا دعویٰ ہے کہ ریاست میں عدل، مساوات اور سوشل جسٹس قائم کرنا اس کی خوبی ہے لیکن کوئی سا نظام ریاست اس پر پورا نہیں اترتا کیونکہ عدل قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ صاحب عدل خود ضرورتوں اور حاجتوں سے بالاتر ہو کر یا کم سے کم قناعت والا ہو۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ، روس، فرانس، برطانیہ اور دیگر ممالک کے سربراہ بلکہ ہماری وزیراعظم بھی ذاتی ضرورتوں کو قومی ضرورتوں پر نہ صرف یہ کہ ترجیح دیتے ہیں اور اُن کے حصول کیلئے قوم کو ٹیکسوں کے آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا کر دیتے ہیں حکمرانوں اور سربراہوں کے اخراجات ہزاروں لاکھوں میں شمار نہیں ہوتے بلکہ کروڑوں تک پہنچتے ہیں پاکستان کی وزیراعظم بے نظیر کے ایک دورۂ امریکہ کے اخراجات تین کروڑ کے قریب ہیں یہ نظام حکومت کی برائی ہے جس نے حکمران کو عام انسانی زندگی سے ممتاز، ماورا اور گرفت سے بالا رکھا ہوا ہے یہ لوگ معاشی عدل قائم کر ہی نہیں سکتے اس نظام میں عدلیہ کے تمام بڑے عہدے خالص سیاسی عہدے ہوتے ہیں وہ اپنی سیاسی وفاداریوں کو حکمرانوں کی سیاسی پسند و ناپسند کے ماتحت رکھتے ہیں یہ لوگ اس ریاستی نظام کی بنیادی خرابی کی وجہ سے عدالتی انصاف ہی نہیں دے سکتے چہ جائیکہ سستا انصاف دیں۔

مساوات کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے نظام کو چلانے اور قائم کرنے والے افراد خود کو ایک عام آدمی کے برابر سمجھیں اور ایک عام آدمی کی ضرورتوں کے مطابق اپنی ضرورتوں کا یقین کریں لیکن دائیں اور بائیں کی تقسیم کرنے والے انسانیت کے دشمنوں کے ہاں ایسا خوفناک عدم توازن ہے جس میں مساوات تو درکنار عام زندگی سے لگا کھانے کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک وکیل ایک شاعر ایک ادیب اور ایک صحافی پھر ایک اخبار کا مالک، مل مالک، جاگیردار، بیوروکریٹ اور حکمران۔ ان کا رہن سہن، طرزِ زندگی، معیارِ زندگی غرض (way of living) متوسط طبقے کے برابر نہیں چہ جائیکہ مزدور کسان، ریڑھی بان، کوچوان کے برابر ہو سکے ہر چند کہ حکمران کوچوان کے مساوی نہیں ہو سکتا مگر فرق و امتیاز کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔

سوشل جسٹس ایک لفظی دھوکا ہے جس سے ہم ایسے لوگوں کو بہلایا گیا ہے۔ بہاروں کا خوبصورت خواب

۰ کھا کر خزاؤں کی گہری کھائی میں پھینک دیا گیا ہے۔

ہمارے دور کی دنیا میں کوئی کام سوشل بنیادوں پر نہیں کیا گیا لوگوں کی ضرورت کے مطابق نہیں کیا گیا بلکہ حکمران کی منشاء یا زیادہ سے زیادہ حکمران پارٹی کے فیصلوں کے مطابق کیا گیا جس سے حکمرانوں یا حکمران پارٹی کے مستقبل کو محفوظ کیا گیا ہے اس کا نفع پورے قوم کو نہیں پہنچتا بلکہ حکمران پارٹی کے مخصوص افراد یا برادریوں کو براہ راست یہ نفع ملتا ہے۔ عوام جن کا نام جپا جاتا ہے وہ تو سیاسی خرمستیوں میں پسنے کیلئے ہیں۔

عدل واحسان، مساوات اور حقوقِ انسانی صرف اور صرف اللہ کے دین میں مل سکتے ہیں آج کے اس دورِ زوال میں بھی دین کی برکتیں اور مذکورہ نعمتیں اگر کہیں میسر ہیں تو صرف سعودی عرب میں ہیں۔ دیکھئے! ایک مثال سوشل جسٹس کی۔ ملاحظہ ہو کہ اسلام آباد کی زمینوں کی قیمت اصل مالکان کو دو ہزار روپے مرلہ کے حساب سے دی جاتی ہے جبکہ سرکاری قیمت اسی پلاٹ کی دو لاکھ روپے مرلہ ہے لیکن سعودی عرب میں اگر کسی کی ذاتی ملکیت قومی یا دینی مفاد کیلئے حکومت اپنے قبضہ میں لیتی ہے تو اس کے منہ مانگے دام اصل مالک کو ملتے ہیں۔ مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں حرمین کی وسعت کے لئے اگر کسی کی ذاتی ملکیت توسیع میں آگئی ہے تو اس کو وہی ملا جو اس نے مانگا۔ اور اس کا شمار لاکھوں میں ہے ہزاروں میں نہیں۔ آپ اگر پاکستان کو دینی ریاست بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی نفسی اصلاح کریں اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کریں جس سے آپ دوسرے انسان کو سکون، راحت، امن، اور محبت دے سکیں۔ اس انفرادیت سے اجتماعیت کو پیدا کریں جو قومی پیمانے پر عدل واحسان کو قائم ونافذ کر سکے۔ پھر دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے صحابہ جیسے معاشرہ کی تخلیق ہوئی ہے کہ نہیں۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ اس دور میں صحابہؓ جیسا معاشرہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟ تو ان سے عرض کیا کہ:

جناب! گفتگو کا مقصد مشابہت ہے۔ ادنیٰ مشابہت بھی مماثلت کے لئے کافی ہے جب معاشرہ میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حسن سلوک، مروت، انسانی خدمت جو بڑے وسیع

مفہوم نہیں ہے۔ عام ہو جائیگی تو یہی سوشل جسٹس ہے۔ اگر ہم معاشرہ میں ۲۵ فی صد بھی یہ تبدیلی رونما کر لیں تو ہم اسے صحابہ کرام کی اتباع والا معاشرہ کہہ سکیں گے"۔

مجلس احرار اسلام کے ایک بزرگ جن کی قربانیوں اور خدمتوں کی داستان کسی چی گویرا اور ہو چی منہ سے کم نہیں بلکہ ان سے بہمہ وجوہ بہتر و برتر ہے وہ تھے "صوفی عنایت محمد پستروڑی" جو پنڈی کے ہو کر رہ گئے تھے ان کے فرزند ارجمند جناب غلام نقشبند صاحب تھے وہ بھی زندگی بھر منفی قوتوں کے خلاف نبرد آزما رہے یہ دونوں بزرگ اللہ کو پیارے ہو گئے اب تو انکی یادیں ہی ہیں جو راولپنڈی کی فضاؤں میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ شیخ رشید صاحب (ایم۔این۔اے) کی موجودہ ترقی بھی صوفی غلام نقشبند کی یادوں میں سے ایک قیمتی یادگار ہے صوفی صاحب کی اولاد بعض پریشانیوں کا شکار ہے۔ احباب ان کی اصلاح احوال کے لئے دعا کریں پنڈی میں ایک حلقہ جو میرے لئے بالکل نیا تھا وہ شوکت صاحب کا حلقہ ہے انہوں نے بہت سے پرانے بزرگوں سے ملاقات کرائی۔ محفل جمی، ماضی کے دھندلکوں میں جھانک کر بڑے بوڑھوں نے احرار اور امیر شریعت کے تذکار سنائے دعائیں دیں۔ مل کے کھانا کھایا اور مستقبل میں غیرت مندوں کی طرح جینے کا ترانہ گایا۔ شوکت صاحب کے چھوٹے بھائی نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا شاہ جی آپ کی ایک بات کا بہت لطف آیا کہ آدمی کو بہادر دل غیرت مندوں کی طرح زندہ رہنا چاہیئے۔ آپ آئندہ آئیں گے تو بات ہی اور ہوگی۔

اظہار تعزیت

مجلس احرار اسلام راولپنڈی کے نہایت مخلص کارکن، جناب میاں رحیم بخش صاحب ۲ نومبر کی شب ۲۰ اسال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ عمر بھر خوش پوش رہے انتہائی ملنسار اور حلیم الطبع تھے۔

رحیم یار خان احرار کے بہادر اور وفادار ساتھی جناب بابا نیازی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تمام احرار ساتھی اور قارئین نقیب ختم نبوت، انکی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں۔ ادارہ پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو آغوش رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ (آمین)

صاحبِ ردا

شاہ بلیغ الدین

اللہ کے رسول مکے میں رہے تو مشرکینِ مکہ وہاں آپ کو اور مسلمانوں کو ستاتے رہتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہجرت کی تو مشرکینِ مکہ نے وہاں بھی آپ کو اور اہل ایمان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ بدر، اُحد، خندق یکے بعد دیگرے تین لڑائیاں اہل ایمان سے لڑیں۔ ان میں بنو ہاشم کے بہت سے افراد میدانِ جنگ میں آئے۔ سیدنا حضرت علیؓ کے بھائی طالب اور عقیل تک لڑائی میں شریک ہوئے لیکن ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے دونوں جوان بھائی حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کبھی ہتھیار پہن کر اللہ کے رسول کے خلاف لڑنے نہیں نکلے۔

مدینے کی اسلامی مملکت قائم ہوئی تو آنحضرت کے حکم سے حضرت امیر معاویہؓ اس کے پہلے وزیر خارجہ بنائے گئے۔ وحی کی کتابت کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اہم سیاسی خطوط حضرت امیر معاویہؓ ہی نے لکھے۔ حضرت واثلہؓ کی روائت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: اللہ نے جبرئیلؑ کو اپنی وحی پر امین بنایا، مجھے امین بنایا اور معاویہؓ کو امین بنایا۔ قیامت کے روز معاویہؓ کثرتِ علم اور کلامِ الٰہی کا امین ہونے کی وجہ سے ایک امت بن کر اُٹھے گا۔ جامع ترمذی میں ہے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ——— اللہ تعالیٰ معاویہؓ کو ہادی اور مہدی بنائے اور مخلوق اس سے ہدایت حاصل کرے! شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب تتمۃ المنتہیٰ مطبوعہ ایران کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے خود کہا کہ ——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا ہے کہ میرے بعد آپ کو خلیفہ ہونا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بارہ (۱۲) خلفاء والی حدیثِ نبوی اس کی توثیق کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی دماغ دیا تھا۔ ابو اسحٰق سُبیعی، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابن العربی لکھتے ہیں کہ ——— اگر تم نے معاویہؓ کو دیکھا یا اُن کا زمانہ پا لیا ہوتا تو اُن کے عدل و انصاف کی وجہ سے تم انھیں مہدی کہتے! اللہ کے رسول کے بعد جتنے صحابۂ کرام خلیفہ بنے وہ سب خلفائے راشدین تھے کیونکہ قرآن کریم نے صحابۂ کرام کو ——— راشدون ——— فرمایا ہے۔ ابن ماجہ میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ

یعنی میری سنّت اور ہدایت یافتہ سیدھی راہ پہ چلنے والے خلفاء کے طریقے پر عمل کرنا۔ اسی لئے بہت سے علماء اور فقہا حضرت امیر معاویہ رضؓ کو خلیفہ راشد کہتے تھے۔ اللہ رب العزت نے ایمان و عقل کے ساتھ انہیں بڑی دلکش شخصیت عطا فرمائی تھی۔ اونچا پورا قد تھا۔ سرخ و سفید رنگت تھی زبان نرم، لہجہ شیریں، رہن سہن بڑا باوقار تھا۔ صحابۂ کرام کا کہنا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ حلیم امیر معاویہ رضؓ ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا اکرام ان پر تھا۔ وہ ہر دور میں معزز اور ممتاز رہے۔ حضورِ اکرم نے حضرموت کا عامل بنایا، حضرت ابوبکر رضؓ نے نائب سپہ سالار بنایا۔ حضرت عمر رضؓ نے گورنر مقرر کیا اور وہ بائیس برس تک گورنر رہے۔ اُنیس سال تک اللہ کے حکم سے وہ مسلمانوں کے امیر رہے اتنی بڑی مدت تک یہ بارِ امانت صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جسے خیر القرون کہا جاتا ہے کسی اور نے نہیں اُٹھایا۔ تمام اُمت انکی خلافت پر متحد ہوگئی لوگوں نے تنادیا نے بجائے اور اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ، سالِ اتحاد پڑ گیا۔ یہ کہنا کہ انہوں نے جمہوریت کی جگہ شاہی کو رواج دیا۔ افتراء پردازی اور جھوٹ ہے۔ حضرت حسن رضؓ نے صُلحاءِ اُمت کے مشورے سے خلافت کی باگ ڈور اُن کے سپرد کی تو ان کی بیعت عام ___ ہوئی۔ کاروبارِ مملکت اُنھوں نے اسلامی احکام کے مطابق مشورت سے چلائے۔ اُن کے زمانے میں بدری صحابہ اور بیعتِ رضوان کے صحابہ موجود تھے جو انہیں قرآن کی اصطلاح میں "اولی الامر" سمجھتے تھے۔ اکتالیس سال تک اقتدار اُن کے ہاتھوں میں رہا۔ یہ اللہ کا فضل نہیں تو اور کیا تھا۔ وہ حافظِ کلام اللہ تھے اور جامع دمشق میں پابندی سے نماز پڑھاتے اور خطبہ دیتے تھے۔ اپنے بیٹے کو انہوں نے جانشین مقرر نہیں کیا۔ یہ صحابۂ کرام کی تجویز تھی حضرت عمر رضؓ کو بھی صحابۂ کرام نے یہ مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے اسمیں ترمیم کردی۔ حضرت علی رضؓ نے حضرت حسن رضؓ کو انکا جانشین بنانے سے کسی کو نہ روکا۔ حضرت مغیرہ رضؓ بن شعبہ اور ابوموسیٰ رضؓ اشعری جیسے صحابۂ کرام نے جب اس بات کا مشورہ دیا تو اُس وقت حضرت علی رضؓ کی سنّت باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کے جواز کے سلسلے میں موجود تھی۔ حافظ ابنِ کثیر نے لکھا کہ امیر معاویہ رضؓ نے جہاد کے ٹوٹے ہوئے سلسلے کو اپنے دور میں پھر سے جاری کیا۔ ایران۔ شام

اور مصر کے جو علاقے اسلامی مملکت سے نکل گئے تھے اُنھیں پھر سے فتح کیا تھا۔ اُنھیں کے سپہ سالار عقبہ بن نافع نے اُن کے بیٹے امیر یزید کے دورِ حکومت میں وہ کارنامہ انجام دیا جس کا ذکر اقبالؒ نے بڑے فخر سے کیا ہے کہ ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

حضرت اُم حرامؓ کے گھر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو خواب دیکھے تھے انہیں امیر معاویہؓ اور ان کے فرزند دلبند امیر یزید نے جو حضرت زینب بنتِ علیؓ کے داماد اور حضرت حسینؓ کی سالی کے صاحبزادے تھے پورا کیا اور جنت کی بشارت پائی۔ امیر معاویہؓ اسلام کے پہلے وزیر خارجہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے پہلے امیر البحر اور اسلام کی پہلی بحری فتح کے اعزاز کے حامل بھی تھے۔ مسلمان قیامت تک جتنی مرتبہ سمندری جہادی معرکوں میں حصہ لیں گے اُن کا ثواب حضرت معاویہؓ کو ملے گا۔ اُنہوں نے سترہ سو جنگی جہاز بنوائے۔ منہاج السنۃ میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ـــــ مسلمانوں کی پوری تاریخ امیر معاویہؓ سے بہتر حکمراں پیدا نہ کرسکی۔ حضرت کعب بن زہیرؓ کو اُن کے قصیدے "بانت سعاد" پہ جو چادر اللہ کے رسول نے اُڑھائی تھی وہ امیر معاویہؓ نے بڑے دام دے کر خرید لی تھی۔ یہ چادر آخر وقت تک وہ تبرکاً اوڑھتے رہے۔ قسطنطنیہ میں یہ چادر آج بھی محفوظ ہے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے:

کہ حضور اکرمؐ ایک بار حضرت اُمِ حبیبہؓ کے ساتھ اپنے خیمہ میں تھے کہ آپؐ نے امیر معاویہؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ـــــ ام حبیبہؓ! یہ تیرا بھائی آرہا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے یوں اُٹھائے گا کہ اس پر نورِ ایمان کی ایک چادر ہو گی!

قادیان سے اسرائیل تک : مؤلف: ابو مدثرہ

اسلام کے خلاف اس صدی کے سب سے بڑے فتنے "مرزائیت" کے خدوخال، بین الاقوامی سازشوں یہودیوں کے گٹھ جوڑ اور عقائد و کردار پر ایک سائنٹیفک اور سب سے پہلی کتاب۔ تحریک ختم نبوت کے ہر کارکن کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت: ۲۰/۰ روپے

ملنے کا پتہ: دفتر نقیب ختم نبوت۔ دارِ بنی ہاشم۔ ـــ مہربان کالونی ـــ ملتان

اظہارِ حقیقت

مولانا محمد عبدالحق چوہان

اس وقت ماہنامہ " آداب عرض" بابت ماہ دسمبر ۱۹۸۶ء ہمارے پیش نظر ہے۔ اسمیں "ایثار" کے عنوان سے " علامہ احمد شبلی کا ایک مضمون شریک اشاعت ہے اور اس مضمون پر بظاہر تعارف کے یہ جملہ تحریر ہے :

"سرزمینِ عرب کا ایک دلچسپ ترین تاریخی واقعہ"

یہ مضمون بظاہر یزید بن معاویہ کے ایک عشقِ ناکام کی داستان ہے۔ لیکن درحقیقت یہ تحریر صحابہ کے خلاف قائم کردہ تحریک سبائیت کے مذموم مقاصد کی ترجمان ہے۔ کیونکہ اس تحریر میں حضرۃ معاویہؓ کی روشن اور منزّہ سیرت کو مخادعۃ اور مکر و فریب کے بدنما داغوں سے داغدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ افسانہ نویس نے اگرچہ اس دروغ بے فروغ کے مأخذ کی نشاندہی نہیں کی لیکن یہ افسانہ بے نشانہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ کی " اَلاِمامۃ والسیاسۃ' سے ماخوذ ہے۔ یہ افسانہ بظاہر ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت کا حامل ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے اس کا تعلق " منصب صحابہ کے "معیار حق" ہونے کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس دروغ بے فروغ کی صحت کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرۃ معاویہؓ : "اصحابی کالنجوم فبأیھم اقتدیتم اھدیتم" یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی اقتدار کرو گے ہدایت پالوگے کا مصداق نہیں رہ سکتے اس لئے کہ جس شخص کے معاملات کی مدار ہی مخادعۃ پر ہو۔ وہ کب قائد ہدایت بن سکتا ہے۔ یزید کی اس عشقیہ داستان کی تغلیط و تردید میں ہمیں براہ راست کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ بقول حضرۃ مولانا عامر عثمانی مرحوم :

"ہمارا احساس تو حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حرمۃ و آبرو کے تعلق سے تڑپ اُٹھتا ہے اور حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حرمت و آبرو بھی ہمیں اس لئے مطلوب و محبوب نہیں ہے کہ وہ اُموی تھے۔ بلکہ اس لئے مطلوب و محبوب ہے کہ وہ صحابی تھے۔ کاتب وحی تھے۔ رسول اللہ نے ان کے تفقہ کو سراہا ہے۔ ان کے والد ابوسفیان کی فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ نے اتنی بڑی پاسداری کی ہے کہ تاریخ اس کی نظیر نہیں لاسکتی۔ ان کی عزۃ ہمارے اس عقیدے کی عزۃ ہے جو جملہ صحابہ کے بارے میں ہم رکھتے ہیں۔ بلکہ یوں کہئے کہ جملہ اہل سنۃ رکھتے ہیں ۔"

اس روایۃ کے مالہ وما علیہ بیان کرنے سے قبل ہم حکیم الامت شاہ ولی اللہ فاروقی رحمہ اللہ کا ایک قول بصورۃ تنبیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ھیں :

تنبیہ سوم : باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب آنحضرۃ بود صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلۃ جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم زنہار در حق او سوءظن نکنی ودر ورطۂ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی ۔

"حضرۃ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے ۔ جماعۃِ صحابہ میں ان کا شمار صاحبِ فضیلت جلیلہ کے لحاظ سے ہے ۔ خبردار ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور نہ ہی ان کے حق میں کوئی ناشائستہ کلمہ زبان پر لاکر عملِ حرام کا ارتکاب کرنا ۔"

[ازالۃ الخفاء صـ۱۴۶ ج ۱ ، عنوان تنبیہ سوم زیرِعنوان مقصد اوّل در فتنی کہ متصل انقضاء خلافت پیش آیند ۔]

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس واضح قول کی روشنی میں حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مولانا عبدالرشید نعمانی کا یہ قول بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔

"کیونکہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ تو مولفۃ القلوب تھے فتح مکہ پہ اسلام لائے طلقاء میں اِن کا شمار ہے ۔"

اس مختصر تمہید سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ یہ داستان محض تاریخی حیثیت کی حامل نہیں تاکہ تاریخی روایات کی طرح اس میں تساہل و تسامح کو برداشت کرلیا جائے بلکہ اس داستانِ بے فروغ کا مضمون ان آیات قاطعہ کے مفہوم ومضمون کے متضاد ہے جن میں بلا استثناء تمام صحابہ کی دیانت تقویٰ اور پرہیزگاری کو بیان گیا ہے ۔ "الامامۃ والسیاسۃ" کے متعلق بعض آئمہ فن کی تحقیق یہ ہے کہ اس کتاب کی نسبت امام ابنِ قتیبہ کی طرف ہی جعلی اور وضعی ہے ۔ اس لئے کہ ابن خلکان ۔ لسان المیزان ۔ شذرات الذہب اور لغیۃ الوعاۃ سے اخذ شدہ معلومات سے یہی حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ مذکورہ کتاب ان کی تصانیف میں داخل نہیں ۔ بلکہ صحابہ کی عدالت وثقاہت کو مجروح کرنے کی غرض سے بعض لوگوں نے یہ مجموعہ مرتب کرکے ابنِ قتیبہ کی طرف منسوب کردیا ہے ۔ جب اس کتاب کے مصنف ومرتب کا بھی یقینی علم نہیں تو مجہول النسب مأخذ سے حاصل کردہ اس افسانہ کی کیا حیثیت اور وقعت ہوگی ۔ اس داستان کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے ۔

یزید بن معاویہ ایک سال حج کے ایام میں مکہ آیا تھا وہ مناسکِ حج ادا کرکے وارد مدینہ ہوا۔ اتفاقاً ایک روز شہر سے باہر اسے کسی خیمہ کے در پر ایک پری چہرہ حسین دوشیزہ دکھائی دی جس کے جمال و لباس نے اسے حیرت زدہ کر دیا ادھر تو یزید عقل و ہوش کھو بیٹھا اور ادھر لڑکی اسے گرم نگاہ سے دیکھتی ہوئی قنات کی اوٹ میں ہو گئی۔ اب یزید روزانہ اسی خیمہ کی طرف سے گزرنے لگا۔ اس امید میں کہ ایک بار پھر ساحرہ کو دیکھ لے۔ لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس پیکرِ حسن کا نام ارینب بنتِ اسحٰق ہے۔"

اس ابتدائی دیدار کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ یزید اس کے عشق میں شب و روز مصروف رہتا۔ ایک رات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رفیق نامی غلام نے اس سے اس پریشانی کے متعلق دریافت کیا تو یزید اور اس کے درمیان درج ذیل مکالمہ ہوا:

"کیا بتاؤں رفیق۔ میں بُری طرح محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

کس کی محبت کا روگ لگ گیا ہے جو اتنے پریشان ہیں۔ کیا وہ محبوبہ بھی آپ کو چاہتی ہے؟

یہ تو میں نہیں جانتا مگر میں اس کی محبت میں گھلا جا رہا ہوں۔ اس گرویدگی کی خبر آپ کے والد ماجد کو ہے؟

اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی عمر دراز کرے میں اُنکی پدری شفقت سے بخوبی آگاہ ہوں ان کی مہربانیاں میرے حق میں سب سے زیادہ ہیں مگر کیا کروں شرم و حیا، میری زبان روکے ہوئے ہے اور یہی دل کی بات لبوں تک نہیں آنے دیتی۔ میں رات رات بھر اسی حسینہ کے خیال میں جاگتا رہتا ہوں۔ اسی کے تصوّر میں دن کو رات سے اور رات کو دن سے ملا دیتا ہوں جہاں تک میرا گمان ہے امیر المومنین کو میری گرویدگی کی اطلاع مل چکی ہے۔ مگر وہ میری حالت پر ملتفت نہ ہوئے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین میرے متعلق کیوں تغافل برت رہے ہیں قسم اللہ کی اگر اُنکا جلال و وقار مانع نہ ہوتا تو میں اپنا حال بیان کر دیتا تاکہ کوئی صورت پیدا ہو سکتی۔ مگر کیا کروں مجبور تھا۔ مجبور ہوں۔"

یہ مکالمہ درحقیقت اس نظریہ کے بیان کرنے کیلئے تمہید ہے جس کو افسانہ نگار رفیق کی زبانی کہلوانا چاہتا ہے اور وہی نظریہ اس افسانہ کے وضع کرنے کیلئے مرکزی نقطہ ہے اب رفیق کی زبانی اسکو بیان کیا جاتا ہے۔

رفیق بغور یزید کی باتیں سنتا رہا اور جب اس کی گفتگو ختم ہوئی تو کہا:

"میں تو آپ کو قوی دل اور مستقل مزاج سمجھتا تھا۔ امیر المومنین کے تغافل کی شکایت غیر مناسب ہے میں انکی طرف سے یہ عرض کر سکتا ہوں کہ خلافت پناہ آپ کے بارے میں نہ غافل ہیں اور نہ تغافل شعار ہیں بلکہ آپ سے بڑھ کر اُنہیں کوئی پیارا نہیں جس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا ہے حالانکہ جمہور صحابہ اس کے سخت مخالف تھے مگر انہوں نے کسی معترض کی بات نہ مانی اور آپ کو ولی عہد بنا کے ہی چھوڑا۔ آپ کو ہمیشہ اُن کا شکر گزار رہنا چاہیئے۔"

اب رفیق کی زبانی یہ انکشاف کرایا گیا ہے کہ حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو پدری شفقت کی بناء پر ولی عہد مقرر کیا۔ اور آپ کے اِقدام پر جمہور صحابہ نے سخت مخالفت کی۔ لیکن آپ نے کسی کی مخالفت کو قابلِ التفات ہی نہ سمجھا اور ولی عہد بنا کر ہی چھوڑا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام ملتِ اسلامیہ کی بہی خواہی کے جذبہ کے تحت کیا تھا کیونکہ آپ تحریک سبائیت کی ریشہ دوانیوں اور انکے دور رس نتائج سے بخوبی آگاہ تھے۔ حادثۂ جمل و صفین کی خانہ جنگی اور اُمۃ کے انتشار کا المیہ آپ کی حقیقت شناس فراست کے سامنے موجود تھا کتنی قربانیوں اور حضرۃ حسن رضی اللہ عنہ کے تحمل و حلم اور حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے تدبر و فراست کے بعد ہی اُمۃ کو اجتماعی قوت حاصل ہوئی اور ملتِ اسلامیہ وحدت کے مرکزِ ثقل پر مجتمع ہوئی۔ اب حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُمۃ کے بہی خواہ حضرات کی سیاست پر یہ امر موقوف تھا کہ اپنی حکمت عملی سے اُمۃ کے اس اتفاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ یا پھر اُمت کو اختلاف و انتشار کی دہکتی ہوئی آگ میں دھکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی جذبہ خیر خواہی کے تحت "مجلس دُھاۃُ العرب" کے رکنِ رکین سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ولاءعہدی کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز پر اِنفرادی اور اِجتماعی طور پر مشورہ ہوا۔ کئی لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی سلطنتِ اسلامیہ کے جیوش نے اس تجویز سے اِتفاق کیا اور اس وقت اِسلامی امصار صحابہ کرام کی ذواتِ مقدسہ سے خالی نہیں تھے۔ لیکن تمام تاریخی مواد میں صرف اِن حضرات کے اسماء گرامی منقول ہیں کہ انہوں نے ولایتِ عہد کی تجویز کی مخالفت کی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما۔ حضرۃ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیا ۵۰ھ تا ۵۶ھ تک پورے عالم اسلام میں صرف یہی چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم موجود تھے ہاہم جمہوریت پسند حضرات سے جمہوری اصول کے

تحت سوال کرتے ہیں کہ اس طرح کی وسیع عریض سلطنت میں صرف اُن چار حضرات کے اختلاف رائے کو جمہور کی مخالفت سے کس اصول کے تحت تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ مولانا حکیم محمود احمد صاحب ظفر اپنی مایۂ ناز تصنیف "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار" کے حصہ اوّل میں یزید کی ولی عہدی کے زیر عنوان اس روایت پر بحث کرتے ہوئے کہ یزید کی ولی عہدی کی تجویز سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"بہرحال کسی اور نے ولی عہدی کی تجویز سیدنا معاویہؓ کو بتائی یا سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں خود آئی۔"

وہ اپنی اس رائے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ:

"سیدنا مغیرہ بن شعبہ کی وفات تو ۵۱ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولی عہدی کا معاملہ ۵۶ھ میں پیش آیا۔"

ہمارے نزدیک یہ دلیل اپنے مدعیٰ کے اثبات کیلئے غیر مستحق ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی ہو اور کامل پانچ یا چھ سال تک اس تجویز پر غور و فکر کیا گیا ہو اور اسلامی بلاد کے لوگوں سے اس تجویز کے متعلق انکی رائے دریافت کی گئی ہو اور کامل غور و فکر کے بعد ۵۶ھ میں اس تجویز پر عملی اقدام کیا گیا ہو۔ بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ حضرۃ معاویہؓ اگر اُمت کے اتحاد اور قوۃ اجتماعی کو باقی رکھنے کیلئے ولایۃِ عہد کی تجویز پر عمل کرنا ضروری سمجھتے تھے تو انہیں چاہیئے تھا کہ اپنے بیٹے کے علاوہ کسی اور شخص کیلئے یہ عہدہ تجویز کرتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس وقت بنو اُمیہ کو جو سیاسی قوت و سیادت حاصل تھی۔ ان حالات کے پیشِ نظر اس مقصد کے حصول کی صورت صرف یہی ایک تھی کہ یزید ہی کو ولایۃِ عہد کے عہدہ پر تمکن حاصل ہو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار کو کسی عہدہ اور منصب پر مقرر کرنا شرعاً ممنوع نہیں حضرۃ عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی سبائیوں نے یہی اعتراض کیا تھا کہ اُنہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو حکومت کے اہم مناصب پر متعین کر دیا تھا۔

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علماء نے کہا ہے:

منها تولية اقاربه ولیس ــــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جو اعتراضات کیئے گئے تھے

فی ھذا ادنی عیب لان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ولّی علیاً وھو ابن عمہ واذا کانت تولیۃ القریب عیباً لنہی عنہا علیہ السلام ولم یفعلہا ومع کل ذالک خالد سلام سوی بین الناس لاقریب عندہ ولا لبعید۔ فالامر موکول لرائی الامام الذی القیت الیہ مقالید الامۃ۔

[اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء صفحہ ۲۰۶]

ان میں ایک یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو عہدہ جات پر مقرر کیا ہے۔ حالانکہ اس عمل میں کچھ بھی عیب نہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی مقرر کیا تھا حالانکہ وہ آپ کے چچا زاد بھائی تھے اگر تولیۂ قریب شرعاً عملِ ممنوع ہوتا تو نبی کریم اس عمل سے روک سکتے اور خود بھی یہ عمل نہ کرتے اور اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اسلام دینِ مساوات ہے اس میں امام کا نہ کوئی قریب ہے اور نہ ہی بعید۔ بلکہ سب لوگ اس کے لئے برابر ہیں اور تولیۂ عمل امامِ وقت کی رائے پر موقوف ہے جس کے سپرد امت کی تمام مصالح کے اختیارات ہیں۔ (باقی آئندہ)

خمینی موت کے دروازے پر!

★ مرتب ★
ابو میسون لنگاہ

عصرِ حاضر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب سے بڑے دشمن "خمینی" کی عبرتناک موت، عالمِ اسلام کا ردِ عمل اور صحابہ دشمن تحریک کی بین الاقوامی سازشیں۔

● قیمت : ۱۰/ روپے

ملنے کا پتہ : دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی۔ ملتان

شہرتِ بخاری

اخذ و ترتیب : ذوالکفل بخاری

اُجالے اپنی یادوں کے

سوچتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میری پیدائش کسی ایسے جلسے یا مجلس میں ہوئی ہو گی جس میں کوئی سیاسی یا مذہبی رہنما یا عالم اپنی شعلہ بیانی سے سامعین کے دلوں میں بھٹیاں دہکا رہا ہوگا۔ اور وہ نعروں یا آہ وبکا سے زمین کا دل ہلا رہے ہوں گے۔ شاید ہی کوئی ایسی سیاسی یا مذہبی شخصیت ہو گی جس کی آواز سے میرے کان مانوس نہ ہوں۔ ہندو بھی اور مسلمان بھی۔ مگر کسی ہندو لیڈر کی ایسی تقریر میں اب تک نہ سن سکا تھا جس نے جلسے کے بعد چند منٹ کے لئے بھی اپنی گونج میرے دماغ میں چھوڑی ہے۔ ان میں گاندھی جی تھے، پنڈت جواہر لال نہرو بھی۔ اسی لئے آبا عموماً ایسے جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے جن میں یا تو صرف ہندو مقرر ہوتے یا کوئی نکمال با ہر مسلمان خطیب۔ یہی کیفیت میری ہو گئی تھی۔ میرے نزدیک اچھا مقرر تو گھنٹوں بولتا تھا۔ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تو فجر کی اذان سے مجبور ہو کر اکثر ذوق کے اس شعر پر بولنا بند کرتے تھے۔

مؤذن مرحبا بروقت بولا تری آواز مکے اور مدینے

آبا کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی مگر صرف حُسنِ خطابت تک۔ جو سیاسی یا مذہبی رہنما اچھا خطیب ہوتا تھا وہ آبا کا ہیرو ہوتا تھا۔ انہیں ان کے سیاسی نظریات اور مذہبی معتقدات سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمد علی جوہرؔ اور مولانا ظفر علی خان کے نام بڑی محبت سے لیتے تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تو عاشق تھے۔ شاہ جی کی تقریر عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتی تھی اور فجر کی اذان کے ساتھ ختم ہوتی تھی۔ آبا رات بھر بیٹھے رہتے تھے شاہ جیؒ تلاوت کلام پاک بے مثال خوش الحانی سے کرتے تھے۔ آبا نہایت خشوع و خضوع سے سنتے تھے اور زار و قطار

رہتے تھے۔

لاہور میں ایک روڈ پر ایک ہندو تاجر کتب تھا۔ راج پال اُس کا نام تھا۔ اُس کے نام سے یا خود اُس نے ایک کتاب لکھ کر شائع کی جس کا نام نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ "رنگیلا رسول" تھا۔ میں نے یہ کتاب دیکھی نہیں مگر سُنا ہے کہ اس میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم (میرے ماں باپ اور میری اولاد ان کے اسمِ گرامی پر قربان ہوں) کی ذاتِ مطہر پر شدید لچر قسم کے حملے کیے گئے۔ پورے ملک میں بے اطمینانی اور غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی لاہور کے مسلمانوں کو اس مکروہ کتاب کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر محسوس ہو رہی تھی ان پر نیندیں حرام ہو گئی تھیں عورتیں مرد بچے بوڑھے سب کے سب خود کو زندگی کے سب سے بڑے عذاب میں گھرا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو شدید بے بسی میں پا رہے تھے ایک قیامت تھی کہ لاہور کے مسلمانوں کے سروں پر ٹوٹی ہوئی تھی مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی جماعتیں بڑے بڑے جلسے کر رہی تھیں جلوس نکال رہی تھیں مگر سب بے اثر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مسلمانوں کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ایک رات دلی دروازے کے باغ میں بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا ـــــ کہا جاتا ہے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی زندگی کی سب سے موثر تقریر کی ـــــ عشاء کی نماز سے فجر کی اذان تک ہزاروں کا مجمع جذباتی اعتبار سے رفتہ رفتہ اس مقام پر آچکا تھا کہ انہیں اپنی زندگیاں حرام معلوم ہونے لگیں شاید ہی کوئی گھر ہوگا جس تک اس تقریر کا اثر نہ پہنچا ہو۔ جو جلسے میں موجود نہیں تھے وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں انگاروں پر لوٹ رہے تھے شاہ صاحب کے الفاظ نے مسلمانوں کو بے ساختہ گریہ و بکا پر مجبور کر دیا تھا ـــــ ابھی دن کا ایک پہر ہی گزرا تھا کہ یہ خبر شہر کے گلی کوچوں میں گھر گھر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ بازار سریاں والا (اس محلے کا اصل نام بازار سرفروشاں ہے مگر عرفِ عام میں سریاں والا ہی مشہور ہے) کے ایک ان پڑھ نجار زادے نے اس ملعون کو کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جس نے ملتِ اسلامیہ کو اتنی اذیت پہنچائی تھی کہ اس کی مثال اس شہر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

یہ علم الدین تھا ـــــ اچانک وہ "غازی علم الدین" ہو گیا ـــــ شاہ صاحب کے جلسے سے اٹھ کر اس نے کسی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی اور سیدھا ایبک روڈ پہنچا جیب سے بڑا سا چاقو نکالا اور لالہ راج پال کے دل میں ترازو کر دیا پھر بڑے سکون سے دکان سے نکلا اور لوہاری دروازے کے تھانے میں گیا پر مقدمہ درج کرا دیا اسے گرفتار کر لیا گیا بڑے بڑے وکیل مقدمہ لڑنے کو جمع ہوئے قائد اعظم بمبئی سے

تشریف لائے سنا ہے قائداعظم نے اس سے جیل میں ملے اور اصرار کیا کہ "صرف ایک بار عدالت میں کہہ دو کہ میں نے قتل نہیں کیا پھر میرا کام ہے اور میں دیکھوں گا کہ کیسے تمہیں سزا دی جاتی ہے" مگر اُس غازی نے جو پُر اسرار بندوں میں شمار ہوتا تھا صاف صاف کہہ دیا "میں اس سے انکار نہیں کروں گا ـــــ میری زندگی کی یہی تو ایک کمائی ہے میں اسے کسی قیمت پر ضائع نہیں کروں گا۔"

غازی علم الدین "غازی علم الدین شہید" بن گیا۔ ایسا فقیدالمثال جنازہ لاہور کے بازاروں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ پہلا جلوس تھا جس میں ابا نے شمولیت کی تھی۔

دہلی دروازہ کے باہر ایک مسجد ہے۔ مسلمان اُسے "مسجد شہید گنج" کہتے ہیں۔ اور سکھ "گوردوارہ شہید گنج"۔ ۱۹۳۵ء میں اچانک سکھوں نے اسے مسمار کر کے گوردوارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ـــــ اس خبر نے لاہور کے مسلمانوں میں ہیجان پیدا کر دیا۔ پہلے گلی محلوں میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اس موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ پھر باقاعدہ احتجاجی جلسے منعقد ہونے لگے۔۔ ہوتے رہے ہوتے رہے۔ قراردادیں منظور ہوتی رہیں۔ ادھر ایک صبح اس خبر نے لاہور میں آگ لگا دی کہ "مسجد کو شہید کر دیا گیا۔۔" مسلمان بپھرے ہوئے شیروں کی طرح گھروں سے نکل آئے۔ دکانیں بند ہوگئیں سکھوں اور مسلمانوں میں کھچاؤ پیدا ہوگیا۔ سیاسی راہنماؤں کو ایک اور موقع ہاتھ لگا تاکہ وہ اپنا کاروبار چمکا سکیں ... مولانا ظفر علی خان اس موقع پر آخری مرتبہ اپنی سیاسی زندگی کے عروج پر آگئے۔ مولانا بڑے جوشیلے مقرر تھے۔ ان کی تقریروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا ـــــ ایک جمعہ کو ایک عظیم جلوس بادشاہی مسجد سے نکلا اور غیظ وغضب کی حالت میں شہید گنج کی طرف روانہ ہوا۔ دہلی دروازہ کے باہر گورا فوج صف باندھے کھڑی تھی۔ سرکلر روڈ کے چوک میں کوتوالی کے سامنے خاردار تاروں کی باڑھ لگا دی گئی تھی ہزاروں کا جلوس وہاں آکر رک گیا۔ چند جاں بازوں نے تاریں ایک طرف ہٹا دیں اور نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ فوج اس صورتحال کی منتظر تھی۔ یک لخت گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ بے شمار مسلمان پلک جھپکنے میں ڈھیر ہوگئے۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ لوگ گر رہے تھے۔ مگر عجب تھا کہ پسپا ہونے والا کوئی نہ تھا۔ لوگ لا الہ الا اللہ کہہ کہہ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی کر خود کو شہادت کا حق دار ثابت کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے تھے۔

اس طرح بے دھڑک جان دینے کا منظر میں نے اس کے بعد بس ایک مرتبہ اور دیکھا۔ فرق صرف یہ تھا

کہ اس وقت گولی چلانے والے انگریز فوجی سپاہی تھے اس وقت مسلمان اور آزاد مملکت پاکستان کے سن ترین (۱۹۵۳ء) میں جب لاہور میں قادیانیت کے خلاف تحریک چلی اور جنرل اعظم خان کا مارشل لاء نافذ ہوا تو ایک صبح انتظار حسین اور میں کافی ہاؤس چلے گئے۔ ہم اوپر گیلری میں جا بیٹھے اور کھڑکی کے شیشوں میں سے باہر مال روڈ پر جھانکنے لگے۔ تھوڑی سی دیر میں چالیس پچاس نوعمر لڑکے نعرے لگاتے ہوئے پہنچ گئے۔ کافی ہاؤس کے سامنے فوج نے رکاوٹ کھڑی کی ہوئی تھی۔ یہ نوجوان وہاں پہنچے تو انکے جوش و خروش میں کئی ہزار گنا اضافہ ہو گیا۔ فوج نے متنبہ کیا۔ جب کوئی اثر نہ ہوا اور جلوس فوج کے بالکل قریب آ گیا۔ گولی چلانے کا حکم دیا گیا اور پلک جھپکتے میں نصف وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ایک لڑکا اگرچہ سب سے آگے تھا مگر اسے گولی نہ لگی۔ وہ سخت بے قرار تھا۔ اور پوری قوت سے کلمہ پڑھ پڑھ کر سینہ ننگا کئے رکاوٹ کے اس طرف آ گیا۔ ایک گولی نے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔۔۔

شہید گنج کا واقعہ چند دن جاری رہا۔ شہر میں خاموشی چھا گئی۔ پھر جیسا کہ مسلمانوں کی تاریخ ہے آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو سکھوں اور انگریزوں کے ہاتھوں بکنے کا طعنہ دینے لگے۔ جوش و خروش ٹھنڈا ہوتا چلا گیا۔ اور یوں رفتہ رفتہ یہ خونیں تحریک دم توڑ گئی۔

یہ مسجد اب بھی قائم ہے مگر شہید گنج کی مسجد کی خاطر جو جوان خون بے دریغ بہایا گیا میں اس کا عینی گواہ ہوں اور پورا اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ برصغیر کی تحریکوں میں ایسا حادثہ کم ہی ہوا ہو گا۔ المیہ اس کا یہ ہے کہ اس کا انجام بس اتنا ہوا کہ سکھ اس جگہ گوردوارہ تعمیر نہ کر سکے صرف چار دیواری کھڑی کی گئی جو اب بھی ہے فرق ہے تو اتنا کہ ۱۴ اگست ۴۷ء تک پولیس کا سکھ سپاہی پہرا دیتا تھا اب مسلمان سپاہی اس کے دروازے پر پاسبانی کرتا ہے ـــــ بعض اوقات سیاسی مصلحتیں بھی کیسا کیسا دردناک منظر دکھاتی ہیں۔

سنا ہے لاہور میں مسجد کا ایک حادثہ اس سے پہلے بھی ہوا تھا وہی مسجد جو ایک رات میں تعمیر ہوئی تھی اور جس پر اقبال نے یہ شعر کہا تھا

؎ مسجد تو بنا لی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اقبالؒ ـــ جس کے نام کے ساتھ اہل لاہور کے دل دھڑکتے تھے اور میرا دل کہتا ہے بالکل یہی صورت حال پورے برصغیر کے مسلمانوں کی ہو گی قوم پرست مسلمانوں میں شاید ایک مجلس احرار اسلام تھی جو نظریاتی اختلاف رکھنے کے باوجود اقبال کی مخالفت نہ کرتی تھی اور یہ بات میں اس خیال

سے بھی کہہ رہا ہوں کہ میں نے اکثر احرار کے جلسوں میں اقبال کے شعر سنے تھے۔

مسجد شہید گنج کے دردناک حادثے نے مجلس احرار اسلام کی کمر توڑ دی تھی حتیٰ کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ حسن خطابت و قرأت کلام پاک میں یکتائے روزگار ہونے کے باوجود اس کی ساکھ دوبارہ قائم کرنے میں ناکام ہوتے جا رہے تھے ــــ اگرچہ شاہ صاحب کی تقریر سننے والوں سے دلّی دروازے کا باغ اب بھی پُر ہو جایا کرتا تھا مگر سامعین میں وہ جوش و خروش ٹھنڈا پڑتا جا رہا تھا جو شاہ صاحب کی تقریر سے مخصوص تھا خود انہیں اس بات کا احساس ہو چلا تھا چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ایک رات انہوں نے اپنی تقریر کے اختتام کے قریب پہنچتے پہنچتے اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں کہا تھا: مجھے معلوم ہے لاہور والو! تم جو یہاں جمع ہوئے ہو تو صرف میری تقریر سے لطف حاصل کرنے کی غرض سے ورنہ دل تمہارے اب یہاں نہیں ہوتے . . . . . اس کے باوجود میں اس صورت حال سے بے نیاز ہوں اس لیے کہ سننے والا سن رہا اور جاننے والا جانتا ہے کہ ؎

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انہیں کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی

معلوم نہیں یہ اس شعر کی تاثیر تھی جس کے خالق کا پتہ مجھے آج تک نہیں چل سکا یا شاہ صاحب کے احساسِ شکست کے اعتراف کا کرب تھا کہ کسی نے مجھے اندر سے جھنجھوڑ دیا ــــ اور مجھے ایک سنگین دیوار میں رخنے پڑتے محسوس ہونے لگے تقریر ختم ہوئی مگر میرے دل کی بہت سی کھڑکیاں کھل گئیں آندھیاں تیز ہوتی جا رہی تھیں میرے سینے میں سجی ہوئی ہر چیز فرش پر گر رہی تھی پھر مجھے محسوس ہونے لگا کہ سورج غروب ہو رہا ہے جھٹ پٹا پھیلتا جا رہا ہے ــــ اور میں جلسہ گاہ سے اُٹھ کر معلوم نہیں کیسے گھر آیا ــ تھوڑی دیر میں صبح ہو گئی ــــ صبح کی پہلی کرن ہر قسم کے ظاہری اور باطنی اندھیرے کی شدت کو کم کر دیتی ہے میں جو کسی نامعلوم اداسی تلے دبا جا رہا تھا پھر زندگی کی بھیڑ میں گم ہوتا گیا۔ مگر شاہ صاحب نے جس کھوئے ہوئے لہجے میں یہ شعر پڑھا وہ میری رگوں میں یوں اتر گیا تھا کہ آج تک نکل نہیں سکا کئی دن وقفے وقفے سے یہ شعر میری زبان پر بے ارادہ جاری ہوتا رہا کبھی تحت اللفظ اور کبھی ترنم سے

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُنکی
انہیں کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات اُنکی

[منقول از "کھوئے ہوؤں کی جستجو"]

اسلامی عبادات

قسط ۵

صوم کی حکمتیں: شریعتِ اسلامیہ کے سب احکام سراپا حکمت ہیں، جہاں ہمیں حکمت نہ معلوم ہو سکے وہاں اپنے ذہن کا قصور سمجھنا چاہیئے ورنہ کوئی حکم شرعی بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ صوم یعنی روزے میں ایک حکمت نہیں بلکہ کئی حکمتیں ہیں، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں روزہ سراپا ایک حکمت عبادت ہے۔

یہ بات بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ دنیا میں جو مشہور مذہب پائے جاتے ہیں مثلاً مسیحیت، ہندو مذہب وغیرہ ان سب میں روزے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور عبادت کا یہ طریقہ مختلف مذاہب کے پیروؤں میں رائج ہے مگر شریعت اسلامیہ نے جس صوم کا حکم دیا ہے اس کی شان ہی جُدا گانہ ہے۔ اس میں فائدہ زیادہ اور تکلیف کم ہے۔ روزے کے بارے میں غور کیجئے کہ شریعت نے غذا کی مقدار میں کوئی کمی نہیں کی۔ عام طور پر آدمی دن رات میں تین وقت کھاتا ہے۔ صبح دوپہر اور رات کو۔ شریعت نے تینوں کھانے قائم رکھے، صرف ان کے اوقات بدل دیئے۔ ناشتہ کا وقت بدل کر طلوع صبح صادق سے پہلے کر دیا۔ مغرب کے وقت افطار رکھا جو دن کے کھانے کا قائم مقام ہے۔ اس کے بعد رات بھر میں جس وقت جی چاہے کھا سکتا ہے۔ گویا جس کا جی چاہے رات کا کھانا بھی کھائے اور اس طرح تین وقت پورے کرلے۔ بعض لوگ ویسے بھی دو ہی وقت کھاتے ہیں یعنی صبح و شام اس لئے رات کے وقت آزادی دے دی تاکہ ہر شخص اپنی عادت سہولت اور صحت کی مناسبت سے کھائے پیئے۔ اس حکیمانہ طرز کا یہ اثر ہوتا ہے کہ روزے کی وجہ سے کوئی قابلِ ذکر کمزوری نہیں پیدا ہوتی۔ جو کمزوری محسوس ہوتی ہے وہ وقتی ہوتی ہے جو رمضان ختم ہونے کے بعد بہت جلد زائل ہو جاتی ہے۔ وہ درحقیقت قلتِ غذا کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تبدیلِ عادت کی وجہ سے ہوتی ہے اگر کوئی شخص مدّتِ دراز تک روزے رکھتا رہے تو ایک مدّت کے بعد اسکی کمزوری آہستہ آہستہ زائل ہونے لگے گی یہاں تک کہ اگر طبیعت روزے کی عادی ہو جائے تو کوئی کمزوری محسوس نہ ہو۔ ہاں اگر تقلیلِ غذا وغیرہ کسی دوسری وجہ سے کمزوری ہو جائے تو دوسری بات ہے مگر اسے روزے سے کیا تعلق ———— ؟ یہ کمزوری دوسرے سبب کا اثر ہے نہ کہ صوم کا۔

باوجود اس کے روزے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے یعنی نفس کو شریعت کے ماتحت رکھنے کی قوت د

صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے جس سے کام لیا جائے تو تقوایٰ" کی صفت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی صفت اور زبردست روحانی قوت صرف تبدیلِ عادت کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے نہ تقلیلِ غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ کسی اور سخت مجاہدے کی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان عادتوں کا غلام ہوتا ہے۔ اور خلافِ عادت کسی بات کا کرنا یا کسی عادت کا ترک کرنا اس پر بہت شاق ہوتا ہے۔ لیکن جب کچھ دن اس تکلیف اور مشقت پر صبر کرتا ہے، تو یہ کم ہو جاتی ہے بلکہ ایک مدت کے بعد بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ تکلیف جاتی ہے تو صبر اور خواہش نفس سے مقابلے کی قوت دے کر جاتی ہے۔ یہی قوت صوم کا بہت بڑا ثمرہ اور اس کا دیا ہوا بہت قیمتی تحفہ ہے۔ جب یہ قوت و طاقت مسلمان میں بیدار اور قوی ہو جاتی ہے تو وہ نفس کی خلافِ شریعت خواہشوں اور گناہوں کے تقاضوں کا بھی مقابلہ بھی نسبتاً سہولت اور آسانی کے ساتھ کر لیتا ہے اور اگر اس قوت سے برابر کام لیتا رہے تو "تقویٰ" یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کاموں سے بچنے اور دور رہنے کی عادت اس میں پیدا ہو جاتی ہے جو روزہ کا ایک اہم مقصد ہے۔

۲: روزے میں ایک لطیف حکمت یہ ہے کہ اس سے انسان کو اپنی انسانیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو ایک مشابہت ملائکہ کے ساتھ حاصل ہے۔ اور ایک حیوان کے ساتھ یعنی اس میں ملکوتیت و حیوانیت دونوں چیزوں کا امتزاج ہے۔ ملکوتیت کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسکی عبادت ہے اور حیوانیت کا تقاضا کھانا پینا اور جنسی خواہش پوری کرنا ہے۔ یہ حیوانی تقاضے جب مدت تک پورے ہوتے رہیں تو ان کے مناسب جذبات و میلانات اور اخلاق کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور انسان بھولنے لگتا ہے کہ میں انسان ہوں اور میرے اندر ملکوتیت کا جو جزو ہے وہی ارفع اور اعلیٰ ہے اور اسی کو ترقی دینا مقصدِ حیات بلکہ مقصدِ وجود ہے۔ روزہ بھی بھول کو دور کر دیتا ہے۔ روزہ دار کو احساس ہوتا ہے کہ میں حیوان نہیں ہوں جو کھانے پینے وغیرہ نفس کی طبعی خواہشوں کا غلام بنا رہوں اور نفس کی ہر فرمائش پوری کرتا رہوں۔ یہ احساس بہت قیمتی چیز ہے۔ یہ انسان کے دل میں روحانی ترقی اور بارگاہِ الٰہی میں قرب حاصل کرنے کا شوق پیدا کرتا ہے جو اس مقصدِ عظیم کی جانب پہلا قدم ہے۔

۳: کھانے پینے وغیرہ لذات کو ترک کر کے روزہ دار ان لوگوں کی حالت کا احساس پیدا کر سکتا ہے جنہیں ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے میں بھی دشواری پیش آتی ہے۔ اور جو فلاکت و افلاس کا شکار ہیں۔ اسے ان

لوگوں سے ہمدردی ہوتی ہے۔ جو اسے ان کی امداد پر اُبھارتی ہے۔ یہ صورت معاشرے کے لئے بھی مفید ہے۔ اور روزے دار کے لئے بھی۔

۴ :۔ روزہ عام حالات میں صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ اس وجہ سے آلاتِ ہضم کو کچھ آرام مل جاتا ہے۔ اور جسم کے بہت سے فضول اور فاسد مادے تحلیل ہوکر ختم ہو جاتے ہیں۔ اعضاء میں غذا کو جذب اور ہضم کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان کے بعد جب آدمی معمول سابق کے مطابق غذا کھاتا ہے۔ تو اس سے قوت بہت جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ اور رمضان میں پیدا ہونے والے ضعف کی تلافی جلد ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں مشاہدہ ہے کہ روزہ دار عام طور پر روزوں کے دوران بہت کم بیمار ہوتا ہے۔

۵ :۔ روزہ دار صبر کا عادی ہو جاتا ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی کلید ہے۔ بے صبری کی عادت دونوں جہانوں میں نقصان اور خسارے کا سبب ہے۔

---

۶ :۔ رمضان المبارک میں سب مسلمان روزے رکھتے ہیں اور رات کو تراویح پڑھتے ہیں اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت کی فضا بن جاتی ہے جس میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی خوشبو ہوتی ہے اس فضا سے کم و بیش ہر شخص متاثر ہوتا ہے یہاں تک کہ غیر مسلم بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلمان کے قلب کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھتا ہے۔

تنبیہ ضروری : یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پورے رمضان کے روزے فرض ہیں۔ اور بغیر عذر شرعی ایک روزہ کا ترک کرنا بھی سخت گناہ ہے۔

روزے کے آداب : روزہ کوئی رسم نہیں بلکہ عبادت ہے۔ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ اگر اس میں گناہوں کی آمیزش کی جائے تو یہ بات بہت افسوسناک ہوگی اور ایسا روزہ بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ ایسے روزے سے فرض تو ادا ہو جاتا ہے مگر اس پر وہ اجر نہیں ملتا جس کا وعدہ صوم پر کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ ورنہ گناہوں سے مخلوط روزہ تو اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ اس سے فرض ادا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کا کرم اور ان کی رحمت ہے کہ ان کے قانون میں اس سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اس لئے روزہ ترک کرنے سے تو بہر حال یہ روزہ بھی بہتر ہے۔ مگر ایسے روزہ سے اصل مقصد یعنی رضائے الٰہی کا حصول نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص "روزے میں گناہ کی باتوں اور ان پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں" ۔ (مشکوٰۃ) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حاجت تو کسی چیز کی بھی

نہیں ۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا روزہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا ــــــ اور اس پر کوئی ثواب نہ ملے گا ۔

بعض گناہ جن میں لوگ زیادہ مُبتلا ہوتے ہیں :

یُوں تو ہمیشہ ہر گناہ سے بچنا چاہیئے خصوصاً روزے کی حالت میں تو اور زیادہ احتیاط کی حاجت ہے ۔مگر بعض گناہ ایسے ہیں جن میں عام طور پر لوگ زیادہ مبتلا ہوتے ۔اور بظاہر وہ گناہ چھوٹے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ وہ بہت بڑے ہیں ۔اور ان کا عذاب بہت سخت ہے ۔ ہمیشہ ہی ان سے بچنے کی خاص طور پر کوشش کرنا چاہیئے ۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

ا :۔ غیبت کرنا ۔بہتان تراشی ۔جھُوٹ بولنا ۔گالی دینا ۔بے جا ایذا رسانی (خواہ وہ کسی آدمی کو یا جانور کو) فحش باتیں کرنا ۔غُصّہ میں حد سے گزر جانا ۔سینما اور ٹی وی دیکھنا اور فحش مناظر سے لطف اندوز ہونا بدنگاہی کرنا ، گندے قصّے کہانیاں پڑھنا اور گندے خیالات کی پرورش کرنا ۔تاش گنجفہ وغیرہ ناجائز کھیل کھیلنا ۔

یہ وہ گناہ ہیں جن کے گناہ ہونے کا احساس بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے اس لئے انکا تذکرہ مخصوص طور پر کیا گیا ۔ ورنہ ہر گناہ سے بچنا فرض ہے ۔خُصوصاً رمضان المبارک میں ۔

حج : اسلام کا پانچواں رُکن حج بھی بہت اہم عبادت ہے ۔صلوٰۃ ، زکوٰۃ ، اور صوم کی طرح اس کا فرض ہونا بھی قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے ۔جو شخص حج کے فرض ہونے سے انکار کرے وہ اسلام سے خارج یعنی کافر ہو جاتا ہے ۔ (العیاذ باللہ) ــــــ مگر اس میں اور ان تینوں عبادتوں کے فرض ہونے میں یہ فرق ہے کہ نماز ہر روز پانچ وقت فرض ہے اور زکوٰۃ سال میں ایک بار اور صوم سال میں صرف ایک ماہ ، بخلاف اس کے حج ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے ۔جس شخص پر حج فرض ہوا اگر اس نے ایک مرتبہ حج کر کے یہ فرض ادا کرلیا ، تو پھر عمر میں دوبارہ اس پر حج فرض نہ ہوگا ۔

حج ہر شخص پر فرض نہیں بلکہ اسی شخص پر فرض ہے جو سفرِ حج کے اخراجات برداشت کرسکے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جائز اخراجات کے بعد اس کے پاس اتنا مال بچ جائے جتنا سفرِ حج میں آمد و رفت اور قیام وطعام کے ضروری اخراجات کے لئے درکار ہے ۔

(باقی آئندہ)

زبان میری ہے بات اُن کی

خادم حسین شیخ

- وزیراعظم بن گیا تو دوسری جماعتوں کے تعاون سے موثر انداز میں حکومت کروں گا (جتوئی)

خالی ہم تو بیٹھے جی وہ بیٹھے ہیں بے گور و کفن
غربت جن کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

- صرف اقتدار کے لئے بات کرنا ترجیح نہیں سمجھتی ہوں۔ (بے نظیر)

تو محترمہ! پھر مری اور سوات میں کیا ہوتا رہا۔؟

- صدر نے پارلیمنٹ میں وفاقی حکومت کی تیار کردہ تقریر پڑھنے سے انکار کر دیا۔ (ایک خبر)

رقیبوں سے ہے دوست داری تمہاری
بنے گی نہ ہرگز ہماری تمہاری!

- پیپلز پارٹی بنیادی طور پر غریبوں کی پارٹی ہے۔ (بے نظیر)

کامیاب لیڈر ایسا گڈریا ہے جو بھیڑوں کو یقین دلانے میں کامیاب ہو جائے کہ اس کا اور بھیڑوں کا مفاد مشترک ہے۔

- بھٹو کا بیڑا بھی کھر نے غرق کیا تھا۔ (فضل الرحمن)

بیٹی کا بیڑا بھی ۔۔۔ (انشاء اللہ)!

- امام خمینی ہمارے بھی قائد تھے۔ (فخر زمان)

خدا کرے! مرنے کے بعد تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہو۔

- سندھ میں جرائم کم ہوئے ہیں۔ (بے نظیر)

جرائم میں اضافے کے لئے جمہوری عمل کی رفتار تیز کر دی جائے۔

- نمائشی۔ مردوں کے ذہن میں ہے۔ خواتین کے کھیل میں نہیں۔ (مہناز رفیع)

ڈومنی بجاوے چھنچھنا۔ ذات بتاوے اپنی

- صدر اور مجھ میں جنریشن گیپ ہے۔ (بے نظیر)

ذرا گیپ میں دیکھیں تو گھپ اندھیرا ہے۔

- پاکستان میں کسی کو اسلام کا ٹھیکیدار بننے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ (سلمان تاثیر)

اور پاکستان میں اسلام کی لوڈ شیڈنگ بھی یوں ہی جاری رہے گی۔

- میں مشتاق ملک نام کی کسی شے کو نہیں جانتا۔ (آصف زرداری)

حرام ہے جو صراحی کو منہ لگایا ہو!
یہ اور بات کہ ہم بھی شریک محفل تھے

- بے روزگار نوجوانوں سے زیادتی۔ وزیر اعظم کے او ایس ڈی نے اُن کی درخواست کو میز پر رکھ دیں۔ لوگوں نے بطور ٹشو پیپر استعمال کر لیا۔ (ایک خبر)

  ابھی تو رعایت برتی ہے۔ کہیں بطور ٹائلٹ پیپر استعمال نہیں کیں۔

- سندھ میں ڈاکو وزیروں کے گھر پناہ لیتے ہیں۔ (الطاف حسین)

  چوروں کے لئے تھانے کے علاوہ اور کون سی جگہ محفوظ ہو سکتی ہے۔

- عالم انور، مانیکا اور رئیس شبیر جمہوریت کے پاسبان ہیں (پیپلز پارٹی بہاولپور)

  مگر آپ کی وزیر اعظم تو بکنے والوں کو جمہوریت دشمن کہتی ہیں۔

- بھگوان داس کا قائم علی شاہ کو عشائیہ۔ سائیں جلد ہی آپ کی بھجیا کھائیں گے۔ (قائم علی شاہ)

  شاہ صاحب! آپ کو پہلے ہی بدہضمی، جلن وغیرہ کی شکایت ہے۔ بھجیا کی بجائے مخدوم کا ریتا لیجئے

- جمہوریت کے بغیر انسان مطمئن نہیں ہو سکتا۔ (معراج خالد)

  مشرقی پاکستان، ویت نام۔ لبنان کو جمہوریت ہی نے تو مطمئن کیا ہے۔

- نواز شریف نے صدر سے شکایت کر دی۔ (ایک خبر)

  میری چیچی دا چھلا ماہی لاہ لیا.....

- روٹی، کپڑا، مکان بے معنی نعرہ ہے۔ (کھر)

  توبہ کرو۔ مرنے کے بعد بھٹو کو کیا جواب دو گے۔

- میرے وزیر بدعنوان نہیں ہیں۔ (بے نظیر)

  گلدستے میں! یہ شاید ہوں۔

- مجھے ضیاء الحق کے قتل پر صدر غلام اسحٰق اور جنرل بیگ کی خاموشی پر حیرت ہے۔ (اعجاز الحق)

  جس کو خبر نہیں اسے جوش و خروش ہے
  جو پا گیا ہے راز وہ گم سم خموش ہے!

- ہم چاہیں تو پنجاب والوں کو سندھ میں داخل نہ ہونے دیں۔ (آغا طارق وفاقی وزیر ثقافت)

  اور پنجاب کس منہ سے آتے ہو غالب!

- پیپلز پروگرام خوشحالی کا باعث ہوگا۔ (نصرت بھٹو)

  صرف پیپلز پارٹی کے کارکنوں کیلئے!

- پنجاب حکومت کا واسطہ مجھ سے پڑے گا تو اسے حیثیت کا پتہ چل جائیگا۔ اب تک یہ لوگ بچوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں۔ (کھر)

  رانا شوکت محمود۔ فخر زمان، سلمان تاثیر، جہانگیر بدر، ممتاز کاہلوں اور فاروق لغاری جیسے لائق بچوں کو ایک پٹھان گورنر کی سرپرستی بھی تو حاصل ہے۔

- تحریک عدم اعتماد کے دوران۔ پارلیمنٹ میں داخل ہوتے ہوئے پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے ہمارے دوپٹے کھینچے اور گالیاں دیں۔ (عطیہ عنایت اللہ۔ ریحانہ مشہدی)

  یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

- ٹی وی پر دوپٹہ نہ لینے والی خواتین کی چھٹی کرانے کا حکم۔ پروگرام ایسے دکھائے جائیں جو بہن بھائی اور باپ بیٹی ایک ساتھ دیکھ سکیں۔ فلموں سے فحاشی اور عریانی ختم نہ ہوئی تو حکومت سخت کارروائی کرے گی۔ (احمد سعید اعوان)

اعوان صاحب! دیکھ لیں یہ سب کچھ تو ضیاء کی باقیات میں سے ہے اور آپ کی وزیراعظم کہتی ہیں ضیاء کی شریعت پاکستان میں نافذ نہیں ہوگی۔

- حاکم علی زرداری۔ پاکستان علماء کونسل کے چیئرمین ہوں گے۔ (ایک خبر)

یہ تو ایسے ہے جیسے نورجہاں کو اسلامی نظریاتی کونسل کا چیئرمین بنا دیا جائے۔

- لوگوں کی عزت بحال کروائیں گے۔ (کھر)

اور سمن آباد۔ لاہور کی بیٹیوں کی عزت ...... ؟

- اراضی کے تنازعہ پر بیٹوں نے باپ کو سنگلوں سے جکڑ کر کمرے میں بند رکھا۔

سلطانئ جمہور کا آیا ہے زمانہ۔

- صدر اور وزیراعظم میں مصالحتی کوششوں کا ٹھوس نتیجہ نہ نکل سکا۔ (ایک خبر)

انتظار فرمایئے!

- مختار اعوان پولیس کی حفاظت میں سیر کرتے رہے۔ (ایک خبر)

ملتان تے آسو ہنیاں!

- جو آئے وزارت پائے۔ وزیراعظم کی حزب اختلاف کے ہر رکن اسمبلی کو پیشکش۔ (ایک خبر)

ضیاء الحق کی باقیات کے لئے وزارتوں کی لوٹ سیل!

- تحریک عدم اعتماد میں پانچ مسلمان ارکان حلف اٹھا کر مکر گئے۔ میں مسلمان نہیں۔ مگر یہاں موجود ہوں۔ (راناچندر سنگھ۔ ایم این اے)

ایک بار غیر مسلم رکن اسمبلی کا۔ مکر جانیوالے مسلمان ارکان کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ۔

- اسلام کا مفہوم سماجی جمہوریت ہے (وزیراعظم)

"کبھی اصطلاح میں اسلام کا مفہوم یہی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اسلام کا مفہوم، خدا کی عبادت، رسول کی اطاعت اور مخلوق کی خدمت ہے۔

- پولیس اہلکار تھانوں میں نماز پڑھیں تو اس کا اثر لوگوں پر بھی ہوگا۔ (ڈی سی ملتان کی ہدایت)

جو بھی آیا بر وقت بجا یاد آیا
بت خانے کی چوکھٹ پہ خدا یاد آیا

- کھر کے "را" سے تعلقات کی تفصیلات، فوج کی فائلوں میں محفوظ ہیں (حسین حقانی)

کھر نے اندرا کو پاکستان پر حملہ کی ترغیب دی تھی۔ (پرویز الٰہی)

دور بدلا بھی تو غداری کے رستم ٹھہرے۔

آپا نثار فاطمہ (سابق رکنِ قومی اسمبلی)

یہ جمہوریّت اور یہ آمریّت

میری توبہ، اللہ ان دونوں سے بچائے

گزشتہ نو ماہ سے جس قدر جمہوریت کے لفظ کی تکرار سُنی گئی ہے، بالخصوص ذرائع ابلاغ کے سب سے بڑے اور مؤثر ادارے ٹیلی ویژن کارپوریشن سے، اس سے غالباً ہر پاکستانی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ جمہوریت کیا ہے؟ جمہوریت کی اصطلاح تو ہم نے دوسری چیزوں کی طرح سے امریکہ اور مغرب ہی سے درآمد کی ہے۔ امریکہ یا یورپ جہاں بھی یہ طرزِ حکومت قائم ہے، وہاں اگر اکثریت شراب پینا شروع کر دے تو آپ امتناعِ شراب کا کوئی قانون نافذ نہیں کر سکتے، اگر بدکاری کا رواج ہو تو اُس کو روکنے کی کوئی کوشش آزادی اور حقوق کے منافی سمجھی جائے گی۔ الغرض جس بُرائی کو اکثریت اپنا لے وہ جمہوریت کا حصّہ بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس جس اسلام کے ہم دعویدار ہیں، اُس کا حکم ہے کہ اگر سارا معاشرہ بھی کسی بُرائی کی لپیٹ میں ہو اور فردِ واحد جانتا ہو کہ اس کام کو خدا نے ناپسند کیا ہے تو کمر ہمت باندھ کر اُس برائی کا مقابلہ کرے اور اُسے مٹانے کے درپے ہو جائے۔ اسلام نے حاکمیت کا حق جمہور کو نہیں خدا کو دیا ہے، اسلامی حکومت صرف اُن احکامات کو نافذ کرنے کا فرض ادا کرتی ہے۔ اگر حاکمِ وقت کسی خدائی قانون کے نفاذ میں کاہلی کرے تو ملّت اسلامی کا ہر فرد اُس کے محاسبے کا حق رکھتا ہے۔ اسلام میں مشورے کی اہمیت ہے اور حکم ہے، لیکن وہ مشورہ اہلِ تقویٰ اور اہلِ علم لوگوں کا ہے نہ کہ جاہل، بے علم اور بے دین کا مشورہ پوری تاریخِ اسلام میں نہ لیا گیا اور نہ اس کی اہمیت سمجھی گئی، بلکہ خود خدائے وحدہٗ لاشریک نے قرآن پاک (سورہ انعام) میں اس کی وضاحت فرما دی، اے نبیؐ! اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں، تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہُوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے۔ (پ ۸، آیت نمبر ۱۱۶ سورہ انعام)

اسلام کی تاریخ کو دیکھیے، ایک حضورؐ پاک، ایک طرف اور پورا مکہ ہی نہیں، پورا عرب دوسری طرف جماکثریت کی رائے یہ تھی کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکال دو۔ ان کو قتل کر دو۔ انہیں مکہ میں رہنے کا حق نہیں، انہیں شعب ابی طالب میں محصور کر دو۔ تین سال آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُس گھاٹی میں نہایت مشکلات میں بسر کیے۔ طائف کا سفر کیا۔ اُن کے سرداروں نے کیا کہا تھا؟ اکثریت کی رائے کیا تھی؟ اور رضائے حق کیا تھی؟ کیا آپؐ اکثریت کے سامنے جُھک گئے تھے؟ کیا بات بدل گئی تھی؟ نہیں بلکہ آپ نے اُس اکثریت سے حق کو منوا لیا اور اقلیت کو اکثریت میں بدل دیا۔ کیا مشکلات و مصائب میں اکثریت ایمان لائی تھی؟ بلکہ ایمان لانے والوں میں ابوبکرؓ و عمرؓ تھے، عثمانؓ و علیؓ تھے۔ اکثریت ایمان فتحِ مکہ کے بعد لائی تھی۔ غلبۂ اسلام نے جب کے دل جیت لیے تھے، اگر آقائے دوجہاں سرورِ انبیاءؐ اکثریت کی بات مان لیتے تو آج اسلام کی تاریخ کون قلمبند کرتا؟ ہم سب کس طرح مسلمان ہوتے؟ ایک فردِ واحد نے تاریخ عرب و عجم کو بدل ڈالا، بقول مولانا حالی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرما جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ کیا الیکشن کی تاریخ رکھی گئی تھی؟ کیا تمام بدوؤں کا ووٹ لیا گیا تھا؟ صرف اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ اصحابِ رسولؐ نے آپؓ کے حق میں رائے دی اور انتخاب ہوگیا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے بعد حضرت عمرؓ کا انتخاب کس طرح عمل میں آیا؟ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا کہ میں اپنے بعد عمرؓ فاروق کو خلیفہ منتخب کرتا ہوں، کچھ لوگوں نے اس اندیشے کا اظہار کیا کہ آپؓ ایک سخت مزاج انسان کو مقرر کر رہے ہیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ صدیق کا جواب تھا کہ تم میں سے بہتر انسان کو منتخب کر رہا ہوں۔ آپؓ کے مشورے کو قبول کیا گیا اور حضرت عمرؓ فاروق تاریخِ اسلام کے دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے اور ایک شاندار اسلامی تاریخ رقم کی۔

آج ہر مسلمان تاریخ کے اُن بارہ سالوں پر فخر محسوس کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی فتوحات تاریخِ اسلام کا سنہرا باب ہیں اور وہی حضرت عمرؓ جو مشہور ہے کہ کوڑا ہاتھ میں رکھتے تھے، ایک بھوکی بڑھیا اور اس کے بچّوں کے لیے اپنی کمر پر آٹے کی بوری اُٹھا کر لے جاتے، غلام کہتا کہ مجھے اُٹھانے دیں تو فرماتے کہ عمر کا بوجھ قیامت کے دن کون اُٹھائے گا؟ مجھے اپنا بوجھ خود اُٹھانے دو۔ باطل کے ایوان آپؓ سے لرزتے تھے۔ کفر کی قوتیں تھراتی تھیں، لیکن کمزور و مجبور مسلمانوں کے لیے آپؓ سایۂ شفقت تھے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مدینے کی گلیوں میں عوام کے لیے پھرتے تھے کہ کوئی دکھی نہ ہو۔ جب احباب مشورہ دیتے کہ آپ دن کو بھی کام کرتے ہیں اور رات کو بھی آرام نہیں کرتے تو فرماتے تھے کہ کل قیامت میں عمرؓ کی جگہ کون جواب دے گا؟ یہ ہے وہ حکومت و سلطنت جو اسلام عطا کرتا ہے اور حاکمِ وقت اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے۔ خلافت کے لیے بیعت بھی انہی حضرات کی ہوتی تھی جو علم و تقویٰ والے ہوتے تھے۔ حضرت حسینؓ کا واقعۂ کربلا اس بیعت کی زندہ جاوید مثال ہے کہ آپ کی بیعت کی اہمیت کیوں تھی؟

اسلام نے ایسے لوگوں کو عہدے دینے سے منع کیا ہے جو اپنے آپ کو عہدوں کے لیے پیش کریں اور عہدوں کی تمنّا کریں۔ اسلام میں اس بات کی ممانعت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کیے جائیں اور اس کی تشہیر کی جائے۔ اسلام میں اس کی بھی ممانعت ہے کہ اپنی خوبیاں بیان کی جائیں۔

موجودہ جمہوریت میں ابتدا ہی یہاں سے ہوتی ہے، کہ مدِمقابل کی خوب برائیاں تلاش کرو، ان کی لاؤڈ سپیکر پر تشہیر کرو اور شائع کرو بلکہ جو عیب اُس میں نہیں ہیں اُن کو بھی بیان کرو۔ اپنی خوبیوں کا بڑھا چڑھا کر اعلان کرو۔ منتخب ہونے پر عہدوں کی تمنا کرو، اُن کے لیے کوشش کرو، خوشامد کرو اور ایسے ساتھی ملاؤ جو سفارش کریں کہ اسے ضرور عہدہ دیا جائے۔ جماعتیں بناؤ اور ہر ایک اپنے منشور کو اس طرح پیش کرے کہ یہی صحیفہ آسمانی ہے۔ نتیجہ کیا ہے، ہر بار الیکشن میں قوم ٹوٹتی ہے، دل ٹوٹتے ہیں، رشتے داریاں ٹوٹتی ہیں، دوستیاں چھوٹتی ہیں، تفرقے بڑھتے ہیں، دوریاں قائم ہوتی ہیں۔ ایک بھائی ایک جماعت سے جیتتا ہے اور دوسرا بھائی دوسری جماعت سے، برادری دو حصّوں میں تقسیم ہے، دوست احباب بھی دو حصّوں میں تقسیم ہیں۔ جو خاندان ایک خاندان کو بیٹی دے چکے ہوتے ہیں، وہ بیٹی اپنا واسطہ بھائی باپ کو دیتی ہے کہ آج اگر آپ اس کے ساتھ نہ چلے تو میری ساری زندگی عذاب ہو جائے گی۔ اب ایمان کچھ کہتا ہے، ضمیر کچھ کہتا ہے لیکن بیٹی اور بہن کی شکل آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو فیصلہ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ باپ جانتا ہے کہ اُس کے بیٹے نے صحیح پارٹی سے ٹکٹ نہیں لیا، لیکن بیٹا ہے اور الیکشن بہرحال جیتنا ہے، لہٰذا باپ اپنے ایمانی تقاضے بالائے طاق رکھ کر بیٹے کا ساتھ دیتا ہے اور الیکشن کے لیے روپے پیسے، دین، ایمان سب کا سودا کر لیتا ہے۔ کیا یہ اسلام ہے؟ تاریخِ اسلام کی مثال تو یہ ہے حضرت ابوبکرؓ صدیق جنگِ بدر میں مسلمانوں کی طرف ہیں، بیٹا جو ابھی مسلمان نہیں ہوا کافروں کی صف میں ہے۔ جب مسلمان ہو جاتا ہے تو کہتا ہے، ابّا جان! آپ میرے تیر کی زد میں دو مرتبہ آئے، لیکن میں نے آپ کو باپ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق جواب دیتے ہیں کہ بیٹا! اگر تم میرے تیر کی زد میں آتے تو میں تمہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کا دشمن سمجھ کر وہیں ڈھیر کر دیتا۔ اسلام نے تو یہ جذبے دیے ہیں۔

آج ہم جس جمہوریت کے دیوانے ہیں اُس کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؏

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر •

اور سے

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اگر ہم علامہ کی اس فکر کو اہمیت نہیں دیتے تو مفکر قوم کیوں کہتے ہیں؟ اُن کی سوچ سے استفادہ کیوں نہیں کرتے! جس انتخاب میں ایک جج کا اور ایک مجرم کا ووٹ برابر ہے، ایک ڈاکٹر کا اور ایک پاگل کا ووٹ برابر ہے، ایک عالم کا اور ایک ڈاکو ــــ کا ووٹ برابر ہے۔ آج ہم اُس الیکشن

> اگر آقائے دو جہاں سرورِ انبیاءؐ
>
> اکثریت کی بات مان لیتے تو آج
>
> اسلام کی تاریخ کون قلم بند کرتا؟

کو اپنے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا بیٹھے ہیں۔ ہم جانتے ہیں ہماری آبادی صرف بائیس فی صد پڑھی لکھی ہے اور اکثریت اَن پڑھ ہے، لیکن ہم ضد کرتے ہیں کہ حکومت کا انتخاب اَن پڑھ اور جاہل ہی کریں گے کیونکہ پڑھے لکھے تو اقلیت میں ہیں۔ ان معصوم اور سادہ لوح لوگوں کو الیکشن جیتنے والے کس کس طرح بے وقوف بناتے ہیں، کیا کیا نعرے لگاتے ہیں اور کتنے جھوٹے وعدے کرتے ہیں یہ تو کوئی چھپی بات نہیں۔ کیا یہ سب کچھ اسلام اجازت دیتا ہے؟ آج سب ہی مذہبی جماعتیں اسی جمہوریت کی نیلم پری کے رقص پر فریفتہ ہیں اور اپنی سیاست کی ساکھ قائم رکھنے کے لیے یہی نعرہ استعمال کر رہی ہیں کہ جمہوریت چاہیئے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کہتے تھے کہ جس پاکستان کا تم دعویٰ کرتے ہو، اگر بخاری کو یقین ہو کہ تم وہ پاکستان بنا ڈالو گے تو بخاری اُس مُلک کی گلیوں میں جھاڑو دینے کے لیے تیار رہے، لیکن اس مغربی جمہوریت میں تم کس طرح اسلام لاؤ گے؟[له] مولانا مودودی نے اپنی ایک تقریر جو شہادتِ حق کے نام سے شائع ہو چکی ہے میں یہی کہا تھا کہ جس اسمبلی کے انتخابات کے لیے علم و عمل اور تقویٰ کا کوئی معیار نہیں، جس میں اقلیتی نمائندے بھی بیٹھے ہوں گے اُس اسمبلی سے آپ نفاذِ اسلام کی توقع کس طرح کرتے ہیں؟ اور ہم نے بیالیس برس میں جب بھی یہ تجربہ کیا، ایک اندوہناک لمیے سے قوم دوچار ہو گئی۔

۱۹۷۰ء کا الیکشن جس نے مُلک کو دو ٹکڑے کر دیا، اِدھر ہم اور اُدھر تم کا نعرہ ایسا لگا کہ اب تک اس نعرے سے جان چھڑانی مشکل ہے۔ پہلے ایسٹ اور ویسٹ پاکستان تھا، اس کے بعد ون یونٹ توڑ کر ہر صوبے کو علیحدہ پہچان دے دی اور سندھی، بلوچی، پنجابی، سرحدی کی ٹوپی پہنا کر خوش ہو رہے ہیں۔ پاکستانی بعد میں اور صوبے کی پہچان پہلے ہے، حالانکہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم ایک ہیں لیکن ہمارے طرزِ حکومت نے ہمیں اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ اس کا تماشہ آج کل آپ وفاق اور صوبوں میں خوب دیکھ رہے ہیں۔ مرکز میں کسی پارٹی کی حکومت ہے اور ایک صوبے میں کوئی ہے تو دوسرے میں کوئی۔ کیا یہ اسلام ہے؟

اسلام کو چھوڑیئے، جس جمہوریت کا راگ الاپ رہے ہیں، اس کی رُو سے دیکھیے، پنجاب حکومت کے ساتھ کیا ڈرامے ہو رہے ہیں؟ اگر جمہوریت ہے تو صوبائی حکومتوں کو کیوں برداشت نہیں کیا جاتا؟ بلوچستان کی اسمبلی کیوں توڑی گئی تھی؟ پنجاب کے افسران کے خلاف صنعتکاروں کے خلاف انتقامی کارروائی کیا جمہوریت کا حصہ ہے؟ سندھ میں مہاجر مار کھا رہے ہیں۔ کراچی میں امن و امان غارت ہو رہا ہے۔ ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ شریف عورتوں کے گھروں میں جا کر ڈاکو مال و دولت ہی نہیں لوٹ رہے، عزتیں بھی لُوٹ رہے ہیں۔ ویمن ایکشن فورم کی خواتین دوست بیگمات اب کیوں خاموش ہیں۔ اسلامی قوانین کا مذاق اُڑانے کا تو کوئی موقعہ نہیں چُوکتا بلکہ بیرونِ ملک ایسی فلمیں دکھائی جا رہی ہیں کہ پاکستان میں خواتین بہت مظلوم ہیں۔ آج کراچی کی عورت واقعی مظلوم ہے، اس کی عزت ہر آن خطرے میں ہے۔ اس کے باپ بھائی، بیٹے شوہر کی

له پاکستان کی چالیس سالہ سیاسی تاریخ نے جمہوریت کے ذریعہ نفاذِ اسلام کا فلسفہ باطل ثابت کر دیا ہے۔

جان کو ہر وقت خطرہ ہے۔ کاروبار نقصان میں جا رہے ہیں اور آج وہ عورت جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ کراچی میں پیدا ہوئی، اس کے ماں باپ نے تقسیم کے بعد سب کچھ لٹا کر کراچی کو پاکستان سمجھتے ہوئے اپنا ٹھکانا بنا لیا — وہ تقسیم سے قبل کے علاقے کا نام بھی نہیں جانتی اور کراچی کی پیداوار ہے، کراچی پر اپنا حق سمجھتی ہے، لیکن اُسے باور کرایا جا رہا ہے کہ تم مہاجر ہو، سندھی نہیں ہو۔ لیاقت علی مرحوم سندھی تھے؟ عبدالرب نشتر مرحوم سندھی تھے؟ اگر وہ کراچی کی سرزمین میں ابدی نیند سو رہے ہیں تو پھر اُن کے ہم قافلہ لوگوں کو کیوں دھتکارا جا رہا ہے؟ کیا یہ جمہوریت ہے؟ کیا اسی کے لیے ہماری پچاس ہزار بہنوں کی عصمتیں لٹی تھیں اور آج کتنی ہیں جو اس گناہ میں کہ وہ مسلمان تھیں، ہندوؤں کی اولادیں پیدا کر کے اپنے دن گزار رہی ہیں، جب وہ یہ خبریں سُنیں گی کہ جو پاکستان پہنچ گئیں اب اُن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، تو کیا کچھ نہ سوچیں گی! آج کراچی کی خاتون اپنی تعلیم کے لیے پریشان ہے، وہ کس طرح باہر نکلے! وہ روزگار کے لیے پریشان ہے گھر سے باہر اُس کو تحفظ کون دے! وہ کراچی جو ایک خوبصورت اور محفوظ بین الاقوامی شہر تھا، آج ضروری کام سے جانے والے بھی ہچکچاتے ہیں۔ کیا یہی جمہوریت ہے؟

گزشتہ دنوں پنڈی ایک سیرت کانفرنس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ دعوت نامے کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی تھی کہ حکومت کے بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔ میں نے اُسی سال میں کئی برس سے سیرت النبیؐ پر جلسے سُنتے ہیں اور بولنے کا موقع ملا ہے لیکن یہ ہدایت پہلے کبھی نہیں ملی تھی بلکہ ایوانِ صدر میں بولنے کا موقع ملا تو بھی یہ ہدایت نہ تھی بلکہ خود صدر ضیاء الحق کی موجودگی میں اُن پر کھل کر تنقید کی لیکن کوئی تنبیہہ نہ کی گئی کہ ایسا کیوں کہا بلکہ ایک موقعہ پر "پاکستان ٹائمز" کے ایڈیٹر مقبول شریف نے کہا کہ آپا جی سے تو صدر صاحب بھی گھبراتے ہیں کہ یہ ضرور صاف بات کہہ دیں گی اور میں سمجھتی ہوں کہ صدر شہید اگر قدر دانی کرتے تھے تو اسی لیے کہ یہ صاف گو ہے لیکن آج اُس دَور کو آمریت کا دَور کہا جا رہا ہے اور پابندیوں کے دَور کو جمہوریت۔

مولانا فضل الرحمٰن اور نوابزادہ صاحب جب سلمان رشدی کے خلاف اسلام آباد میں جلوس لے کر نکلے تھے تو اُن پر گولی کیوں چلائی گئی۔ پانچ جانیں لے لی گئیں، کیا یہ جمہوریت ہے؟ جلوس تو آمریت کے دَور میں بھی لاکھوں کے نکلے تھے، نعرے لگے تھے، گالیاں بکی گئی تھیں، گندی زبان استعمال ہوئی تھی، لیکن گولی تو کیا کوئی لاٹھی بھی برسی۔ اُس صبر کا نام آمریت اور اس جور ناروا کا نام جمہوریت ہے تو میری جمہوریت سے توبہ! یہ ایسا کڑوا پھل ہے کہ گلے سے نیچے تک کڑوا ہی کڑوا ہے۔

۱۹۷۷ء میں ۹ اپریل کو بھی جمہوریت تھی۔ جب مال روڈ پر شریف عورتوں کو طوائفوں سے بدتر سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا تھا اور لاٹھیاں ماری تھیں، ماؤں کے شیر جیسے بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ کس کی گولیوں سے؟ جمہوریت کی گولیوں سے سینے چھلنی ہو گئے تھے! سہاگ لٹ گئے تھے۔ کرفیو لگ گئے تھے۔ فوج کو اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ اس ظلم کو دیکھ کر ایک شاعر نے ایک طویل نظم لکھی تھی "پاک فوج کو سلام"، جس کا ایک بند آج آپ کی نذر ہے:

آج سرحد سے پنجاب و مہران تک
تم نے مقتل سجائے ہیں کیوں غازیو!
اتنی غارت گری کس کے ایما پہ ہے
کس کے آگے ہو تم سرنگوں غازیو!
کس شہنشاہِ عالی کا فرمان ہے؟
کس کی خاطر ہے یہ کشت و خوں غازیو!
ایک آمر کی دستار کے واسطے
سب کی شہ رگ پہ ہے نوکِ تلوار کی
میں نے اب تک تمہارے قصیدے کہے
اور آج اپنے نغموں سے شرمندہ ہوں
پابہ زنجیر یاروں سے شرمندہ ہوں
اپنے دلگیر پیاروں سے شرمندہ ہوں

ہم نے اپنی سیاست جمہوریت اور آمریت کا ایسا ملغوبہ تیار کر لیا ہے کہ اب اس کی پہچان مشکل ہے، پروپیگنڈا شرط ہے۔ زور سے بولیے، ٹی وی پر بولیے، اخبارات میں بیان دیجیے، فارن پریس کو بتائیے اگر شور زیادہ کر سکے تو جو کہیں گے سچ مانا جائے گا، لیکن سچ کیا ہے؟ یہ کون بتلائے گا، اگر سچ کا وجود ہی مٹا دیا جائے تو سچ نظر کہاں آئے گا!۔

باقی صفحہ ۲۸ پر

"دُدھ دی راکھی بہہ گئی بِلّی"

کی دسّاں اج حال وطن دا
کد نکلے گا کال وطن دا
ویکھ حکومت دے ہتھکنڈے
چار روپئے وِک گئے گنڈے
تیرہ روپئے کھنڈ غریبا!
چھتراں دے نال ونڈ غریبا!
گھیو دا نام نشان کُو اچھا
اپنے منہ تے مار طمانچہ
سن لو گل مزدور کسانو!
کہہ گئی اے گل نصرت بانو
ہانڈی وچ کوئی گھیو نہ پاوے
جمہوریت ہُن آوے ای آوے
چودہ روپئے کلو نے دالاں
مار او غریبا پٹھیاں چھالاں
تینوں زندہ رہن نیئں دیناں
سکھ دا ساہ ہن لین نیئں دینال
دس روپے ٹنیڈے توری
اووی وکدے چوری چوری
پنج روپئے وِک گئے آلو
سبزی توں دل ہو گیا چالو
اڑتالی، پنجاہ گوشت دا چھوٹا
بائی، چوی ملدا موٹا!
اووی گالیاں مول نہ گلدا
وی کلو پورا بالن بلدا!
"پنتالی" روپئے لکڑی گلّی
دُدھ دی راکھی بہہ گئی بِلّی
لیناں دے وچ دھیاں بھیناں
آکھن چینی آٹا لیناں
اگے منڈے پچھے منڈے
نت تماشہ ویکھن غنڈے
غم دی نھیری جھلی ہوئی اے
اُمت رستیوں بھُلی ہوئی اے
عمر جیہا کوئی چھیتی آوے
بھُلی اُمت نوں راہ پاوے

وِکے نہ اصغر خون اساڈا
بنے قرآن قانون اساڈا

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

تالیفاتِ جمیل

شاہکار جمیل: ہزار ہا سنیاسیانہ مجربات کی مایہ ناز کتاب جس کا ہر نسخہ جواہرات سے تولنے کے قابل اور سو فیصدی مجرب کہلانے کا صحیح مستحق ہے۔ قیمت ۷۵/- روپے

مفتاح الکیمیا: مشرقی و مغربی کشتہ سازی کی انتہائی کتاب تمام دھاتوں اور اپدھاتوں ویدک یونانی اور ایلوپیتھک کشتہ جات تکلیس تسحیق اور تدابیر کے نہایت آسان طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ قیمت: ۶۰/- روپے

تجارب خوشحالی: نامور کیمیاگر خواجہ بدیع الدین پشاوری کی فن کیمیاگری پر سو فیصدی کامیاب نسخہ جات کی مکمل قلمی بیاض کا اردو ترجمہ قیمت: ۲۰/- روپے

گنج مخفی: صدری مجربات کی ایک عظیم اور لاجواب کتاب۔ قیمت: ۷۵/- روپے

تحفۂ نایاب: طبی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والی طب یونانی کا مایہ ناز فارما کوپیا قیمت ۷۵ روپے

مرقع جمیل: مشاہیر اطباء کے خصوصی مجربات کا لاجواب خزانہ۔ قیمت ۷۵/- روپے

حکیم عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ

کی

نادر و نایاب "کتاب"

مع

زمرد اخضر معروف بہ یاقوت احمر

"رسالہ عنبر معروف بہ مشک اذفر"

کا جدید اردو ترجمہ چھپ گیا ہے

قیمت ——— ۵۰ روپے

رابطہ

ادارہ "طبیب حاذق" شاہدولہ روڈ گجرات

Monthly Phone : 72813

NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT

Regd. L. No.________ MULTAN

Vol.________ No.________

زیرِ تعمیر :

فون : ۷۲۸۱۳

جامع مسجد ختمِ نبوّت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام : تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

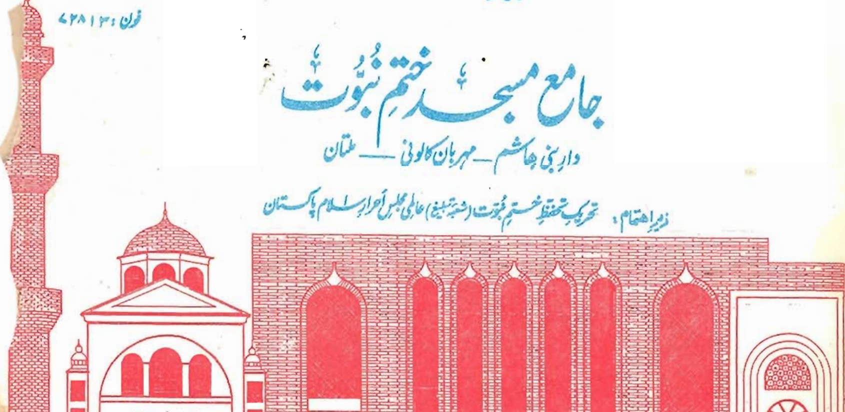

مسجد کی بنیادیں مکمل ہوچکی ہیں، تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصہ لیں، نقد و سامانِ تعمیر

دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں — ترسیلِ زر کیلئے :

منتظم و متولّی ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم ـ ملتان

اکاؤنٹ نمبر : ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی، ملتان